

religious. He was reprisantatire of shah waliullah's reformation movement to return the Quran and Sunnah as Shah Waliullah stressed the point that the problems of the Muslims would be solved only through strict adherence to the teachings of Quran and Hadith in all spheres of life. This is the point which was given special focus in Maalim-ul-Quran fi Droos-ul-Quran" and in various other books and articles of Sufi Abdul Hameed Sawati.

قرآن مجید کی نصاحت و بلاغت، مطالب کی وسعت، اس کے موضوعات کی گونا گونی، دین و فن کے حسین امتزاج اور دل آویز پیکر نے ہر عہد کے علماء و فضلاء کے قلبی احساسات کو ابھارا اسی وجہ سے انہوں نے اس ہدی کتاب میں غلی خزانوں سے پردہ ہٹانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ کسی نے لغات و لہجات اور مختار حروف پر زور ظلم صرف کیا تو کسی نے صرفی و نحوی خوبیوں اور صنائع و بدائع کو اپنا موضوع بحث بنایا، کسی نے اصول دین اور احکام و قصص مرتب کیے تو کسی نے اقسام، امثال اور تصویر فنی پر خامہ فرسائی کی اور کسی نے نصاحت و بلاغت کے محاسن اور غلی کوشوں کو اجاگر کیا۔ بغرض قرون اولی سے لے کر دور حاضر تک قرآن مجید کے معانی و مطالب کی تفہیم بکثرت اور توضیح کے لیے بے شمار کتب احاطہ تحریر میں آئیں۔ یہی کتابیں عوام الناس کے لئے فہم قرآن کا بہت بڑا ذریعہ بنیں۔

گذشتہ چودہ صدیوں سے دنیا کی متعدد زبانوں میں قرآن پاک کے تراجم و تفسیر لکھی جا رہی ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں سب سے پہلے بارہویں صدی ہجری میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اس وقت کی دثری اور تعلیمی زبان، فارسی میں کام پاک کا ترجمہ کیا۔ بعد ازاں ان کے بڑے صاحبزادے شاہ عبدالمعز نے "تفسیر عزیزی" کے نام سے ابتدائی سوا پارے اور آخری دو پاروں کی تفسیر فارسی زبان ہی میں لکھی۔ ان کے بعد شاہ صاحب کے دوسرے صاحبزادے شاہ رفیع الدین نے کام پاک اردو زبان میں تحت اللفظ ترجمہ کیا۔ یہ

التفسیر، مجلس تفسیر، کراچی جلد ۶، شمارہ ۸۸، ۱۹۸۱ء، ۱۹۸۲ء

مفسر قرآن: صوفی عبد الحمید سواتی

ڈاکٹر حافظ نذاحین

The great Islamic Scholar and intellectual Sufi Abdul Hameed Sawati (2008) was born at Mansahra. He was educated at Darul-Aloom Duaband and Darul Muballegheen Lakhnaw (India), in 1952. He founded Nusratul Aloom Gugranwala. He lived whole the life and worked at Gugranwala. He was one of the most remarkable personalities of our times. He had left an enormous corpus of book and articles which was marked for theio very high scholarly quality. He wrote many scholarly books on various aspects of Islamics in Urdu, Arabic and Persian languages. He delivered his lectures with regard to transition and Explanation (Tafseer) of Quran for many years. These lectures have been published the shape of Tafseer-e-Quran. He rendered various services of political and

ترجمہ آج بھی پڑھا جاتا ہے۔ اسی عہد میں شاہ صاحب کے تیسرے صاحبزادے شاہ عبدالقادرؒ نے بھی کلام پاک کا باخداورہ اردو ترجمہ ”موثق قرآن“ کے نام سے کیا۔ موثق قرآن تاریخی نام ہے جس سے ۱۴۰۵ھ سال تکمیل مستخرج ہوتے ہیں۔ گزشتہ دو صدیوں میں برصغیر میں جتنے بھی تراجم و تفاسیر احاطہ تحریر میں آئیں اور شائع ہوئیں ان میں سے بیشتر کی بنیاد یہی تراجم ہیں۔

مولانا عبید اللہ سندھی (م۔ ۱۹۴۴ء) نے شاہ ولی اللہ کے افکار و نظریات اور فلسفے کو آگے بڑھاتے ہوئے قرآن پاک کی تفسیر لکھی۔ اس تفسیر کو ان کے شاگردوں، مولانا عبداللہ بخاری اور علامہ موسیٰ جبار اللہ نے بالترتیب ”الکلام المحمود“ (اردو) اور ”الہام الرحمن“ (عربی) کے نام سے مرتب کی۔ مولانا عبید اللہ سندھی نے ”خلاصۃ القرآن“ کے نام سے قرآن مجید کی سورتوں کا خلاصہ بھی لکھا۔ اسی سلسلے کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے حضرت مولانا احمد علی لاہوری نے قرآن مجید کا ترجمہ کیا اور مختصر تفسیر لکھی۔

انہیں تفاسیر میں ایک تفسیر صوفی عبدالحمید سواتی کی بھی ہے۔ یہ تفسیر محالہ لہر قان فی دروس القرآن کے نام سے ۲۰ جلدوں میں شائع ہوئی۔ یہ تفسیر بھی شاہ ولی اللہ کے افکار و نظریات کی توسیعی صورت ہے۔ صوفی صاحب کے مختصر حالات زندگی اور علمی کارنامے درج ذیل ہیں۔

صوفی عبدالحمید سواتی: سوانحی خاکہ:

نام و نسب:

صوفی عبدالحمید سواتی کا شمار برصغیر کی ممتاز علمی شخصیات میں ہوتا ہے۔ آپ ۱۷۱۰ء میں عنکباری سے آگے کڑ منگ بالا کے قریب چیزاں دھکی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام نور احمد خان اور دادا کا محل احمد خان ہے۔ آپ چھوٹے ہی تھے کہ آپ کے والد صاحب کا انتقال ہو گیا۔ آپ کی کنیت ابوالفیاض اور تخلص اختر تھا۔ آپ صوفی صاحب کے لقب سے معروف تھے اور پنہانوں کی یوسف زئی راوری کی کچھ مندرامی سے تعلق رکھتے ہیں۔

تعلیم:

آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم ہائبرہ کے مختلف علاقوں میں حاصل کی۔ ۱۹۲۵ء سے ۱۹۳۸ء تک ۱۳ سال پاکستان کے مختلف علاقوں، ملک پور، بکھو گنڈہ، وڈالہ، ہر کو دھا، لاہور، ہری پور، ہائبرہ، سیالکوٹ، خوشاب، جہان آباد، ملتان، کوجہ انوالہ میں مختلف اساتذہ سے عربی اور فارسی کی کتابیں پڑھیں۔ ۱۹۴۰ء میں اپنے بڑے بھائی مولانا سرفراز خان صفدر کے ہمراہ دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ ۱۹۴۱ء میں آپ نے دارالعلوم دیوبند سے دورہ حدیث شریف کی سند حاصل کی اسی سال امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی سے ملاقات ہوئی۔ ۱۹۴۳ء میں آپ نے دارالعلوم لکھنؤ میں داخلہ لیا اور امام اہلسنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ سے قرآن کریم کی تفسیر، قتابل ادیان، فن مناظرہ اور انشاء میں سند فراغت حاصل کی۔ مولانا سید حسین احمد مدنی سے دورہ حدیث پڑھا اس کے علاوہ مولانا محمد ابراہیم بلیاوی، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا عبدالشکور لکھنوی، مولانا قاری امراز احمد، مفتی محمد شفیع، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مفتی عبدالواحد کوجہ انوالہ، مولانا عبداللہ درخاشی اور دیگر جید علماء کرام سے بھی استفادہ کیا۔ ۱۹۴۳ء میں آپ نے چشتی سلسلہ میں مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ (۱)

غیبت الہی:

سواتی صاحب پر ہمیشہ خوف خدا کا غلبہ رہتا تھا انھوں نے پوری زندگی قرآن و سنت کے مطابق زندگی گزارنے کی کوشش کی۔ متعدد بار تلاوت قرآن کے دوران انھیں آنکھوں سے آنسو صاف کرتے ہوئے دیکھا گیا۔ مصروفیات کے باوجود ناز باجماعت کا اہتمام کرتے تھے۔ ناز میں خشوع و خضوع کا خاص خیال رکھتے تھے۔ حالت مرض میں بھی ناز کا اہتمام رہا۔ پابندی و اوقات کا بہت خیال رکھتے تھے۔ رزق حلال پر بہت زیادہ توجہ دیتے تھے۔ آپ کی حق کوئی و بیباکی معروف ہے۔

اولاد:

اللہ تعالیٰ نے صوفی صاحب کو چار بیٹے اور پانچ بیٹیاں عطا کیں جن میں سے ایک لڑکا اور لڑکی ان کی زندگی میں ہی وفات پا گئے تھے باقی حیات ہیں۔

تعلیمی کارنامے:

نصرت اعلوم کوثر انوالہ کی بنیاد اور درس و تدریس۔ آپ نے کوثر انوالہ شہر میں ۱۹۵۲ء میں نصرت اعلوم کے نام سے ایک دینی مدرسے کی بنیاد رکھی اور تمام عمر درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور تبلیغ و تحقیق کے شعبوں میں گراں قدر خدمات سر انجام دیتے رہے۔ آپ نے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تصانیف کا بنیاد پر مطالعہ کیا اور اس میں وہ مہارت اور درک حاصل کی کہ آپ کا شمار حضرت شاہ صاحب کے فلسفہ کے شارحین میں ہونے لگا۔ آپ کی تصنیفات اور تحقیقی کام کو اہل علم کے ہاں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔ آپ خدمت اسلام کا بے پناہ جذبہ رکھتے تھے اور علم و عمل کے آداب تھے۔ آپ نے اپنے قائم کردہ ادارے میں طلباء و طالبات کیلئے حفظ قرآن اور درس نظامی کی تعلیم کا انتظام کیا۔ بیرون ملک سے تعلیم کی غرض سے آنے والے طلباء و طالبات کی خوراک، رہائش، علاج، معالجہ اور دیگر اخراجات کی ذمہ داری کا بوجھ بھی اپنے ذمہ لیا۔

ان کا انداز درس انتہائی سلیس، عام فہم، پر مغز، عالمانہ، فصیحانہ اور بلیغانہ ہوتا تھا۔ مشکل سے مشکل مقامات کی توضیح پر سہل اور عام فہم انداز میں کرتے تھے۔ آپ نے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتابوں کا بنیاد پر مطالعہ کیا اور ان کے فلسفہ کی تفہیم میں وقت نظری کا ثبوت فراہم کیا۔ آپ شاہ ولی اللہ کے افکار و نظریات اور فلسفہ کو سہل انداز اور تحقیق کے ساتھ پڑھاتے تھے۔ انہیں خوبیوں کی بنا پر آپ کا شمار حضرت شاہ ولی اللہ کے فلسفہ کے اہم شارحین میں ہوتا تھا اور اس سلسلے میں آپ کی تصنیفات اور تحقیقی کام کو اہل علم کے ہاں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ آپ نے نصرت اعلوم کے زیر انتظام طلباء و طالبات کیلئے حفظ قرآن اور درس نظامی کی تعلیم کا انتظام کیا اور مدرسے کو صرف دینی تعلیم تک محدود نہیں کیا بلکہ مدرسے کے طلباء و طالبات کے لیے دنیوی تعلیم کا بھی انتظام کیا چنانچہ مدرسے میں بذل تک کی تعلیم فراہم کرنے کا انتظام کیا گیا۔ اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ مدرسے سے فارغ التحصیل ہونے والے طلباء و طالبات دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ دنیوی تعلیم سے بھی آگاہ ہوں تاکہ وہ معاشرے میں پہنچ کر کسی احساس کمتری کا شکار نہ ہوں بلکہ وہ معاشرے کے مفید شہری بن سکیں۔

دروہ قرآن

آپ نے اپنی زندگی کو تعلیم، تدریس اور تحقیق کے لیے وقف کر رکھا تھا چنانچہ ہر وقت یا تو تعلیم دیتے نظر آتے یا تصنیف و تالیف میں منہمک رہتے۔ قرآن سے انہیں ولی نگاہ تھا۔ نصف صدی تک ان کا معمول تھا کہ وہ جامع مسجد نور (کوثر انوالہ) میں ہفتہ میں چار دن باقاعدگی سے درس قرآن دیا کرتے تھے۔ کثیر تعداد میں علماء و محوام الناس ان کے دروس میں باقاعدگی سے شرکت کرتے تھے۔ درس کا یہ سلسلہ تقریباً اڑیس برس رہا ان کے ان قرآنی دروس سے محوام الناس کے دل میں فہم قرآن کا ذوق پیدا ہوا۔ لوگوں کی زندگیوں میں مثبت تبدیلی پیدا ہوئی اور انہوں نے قرآنی تعلیمات پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ اہل علم ان کے ان دروس سے استفادہ کر رہے ہیں۔ "تفسیر معالم القرآن فی دروس القرآن" میں جو ترجمہ دیا گیا ہے وہ ان کا طبع زاد ہے۔ ان کی تفسیر کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے فلسفہ سے خاص نگاہ تھا۔ تفسیر میں متعدد مقامات پر شاہ ولی اللہ کے فلسفہ اور حکمت کی چھاپ صاف نظر آتی ہے۔ یہ تفسیر بیس (۲۰) جلدوں پر مشتمل ہے اور اردو میں کہیں کئی بہت خفیم تفسیر ہے۔ یہ تفسیر اسلاف کی مختلف تفاسیر کا مرقع ہے۔ اس تفسیر کا انداز بیان سادہ اور علم و حکمت سے بھرپور ہے۔ قرآنی مفہام و مطالب اس انداز میں بیان کرتے تھے کہ عصر حاضر کے تمام قعات بھی پورے ہوتے جاتے تھے اور ہمہ قسم جدید و قدیم فنون کی جڑ بھی کھنی چلی جاتی تھی۔

مکروہی الہی کے ترجمان

آپ شاہ ولی اللہ اور مولانا عبید اللہ سندھی کی انقلابی فکر کے شہنشاہ تھے۔ اس لئے شاہ ولی اللہ کی تصنیف "حجۃ اللہ البالغہ" کو اپنے مدرسے کے نصاب میں شامل کیا۔ آپ کو شاہ ولی اللہ اور ان کے خانوادے کے افکار و نظریات سے طبیعتاً مناسبت تھی۔ اس لیے ان کے افکار و نظریات کی تشریح و توضیح کی جانب زیادہ توجہ رہی۔ آپ نے مدرسے میں کم و بیش 32 مرتبہ "حجۃ اللہ البالغہ" کا درس دیا۔ اس خانوادے سے قلبی تعلق اور محبت کا نتیجہ تھا کہ آپ نے اس خانوادے کی بہت سی نادر و نایاب کتب کو ترجمہ کروا کے اور تشریح و توضیح کے ساتھ شائع کرانے کا اہتمام کیا۔ شاہ صاحب نے قرآن، سنت اور فعال صحابہ کی روشنی میں ایسا کمال نظام پیش کیا ہے جو انسانی زندگی کے معاشی، معاشرتی، اقتصادی، اخلاقی، سیاسی، انقلابی، انفرادی و اجتماعی پہلوؤں کو آجگار

- xvi - مقالات سواتی
xvii - تقریر صحیح بخاری
xviii - نماز مسنون کا رو
xix - الکاب

تراجم و مقدمات:

- xx - فیوضات حبیبی المعروف ترجمہ ابراہیم وغیرہ۔
xxi - دلیل الشریکین مع اردو ترجمہ الشیخ المومنین
xxii - مبادی تاریخ الفلاسفہ (اردو سے عربی)
xxiii - تجلہ الاسلام (اردو سے عربی)
xxiv - الخاف القدس فی معرفہ لطائف النفس مع اردو ترجمہ
xxv - عقیدہ الخاوی وعقیدہ الجسد
xxvi - فقہ اکبر مع ترجمہ البیان الازہر

صحیح، مقدمات و حواشی:

- xxvii - صرف ولی اللہی المعروف صرف میر منکوم
xxviii - اسرار الحکیم
xxix - دمع الباطل
xxx - تفسیر آیت النور مع ترجمہ
xxxi - مجموعہ رسائل (حصہ اول)
xxxii - مجموعہ رسائل (حصہ دوم)
xxxiii - تکمیل الاذعان مع رسالہ دانشمندی
xxxiv - احوال اربعین (رد و انقض)
xxxv - خطبات صدارت (۳)

غیر مطلوبہ کام:

کرتا ہے۔ نیز حکمت ولی اللہی میں یہ بات صراحت کے ساتھ بیان ہوئی ہے کہ انسان کو صحیح ترقی اس وقت تک میسر نہیں ہو سکتی جب تک کہ اسکی خواہشات اور تجربات عقل کے تابع نہ ہوں اور اسکی عقل شریعت حق کے تابع نہ ہو۔ صوفی صاحب نے تہذیب نو اور مغربی فلسفہ پر فکر و ولی اللہی کی روشنی میں کاری ضربیں لگائیں۔ (۲)

علم المناظرہ کے ماہرہ۔ عبدالحیدر سواتی علم المناظرہ کے ماہر تھے۔ انھوں نے اس فن کا حصول اور تکمیل مولانا عبدالحکیم لکھنوی سے کی۔ دوران مناظرہ قرآن و حدیث کی روشنی میں اسلام کی حقانیت دلائل انداز میں پیش کرتے تھے۔ آپ کی تصانیف کی تفصیل درج ذیل ہے۔

تصانیف:

- i - معالم القرآن فی دروس القرآن (20 جلدیں)
ii - ترجمہ قرآن کریم (1 جلد)
iii - عون الخیر شرح الفتاویٰ الکبیر فی اصول الفیہ
iv - اصول حدیث
v - دروس الحدیث (مسند احمد) (4 جلدیں)
vi - خطبات سواتی (5 جلدیں)
vii - نماز مسنون خورو
viii - شرح شمائل ترمذی (2 جلدیں)
ix - شرح کن بابہ (1 جلد)
x - ترمذی شریف شرح ابواب الایمان (1 جلد)
xi - تفسیرات سواتی اعلیٰ ایسا فوقی
xii - مباحث کتاب الایمان مع تسبیح و توضیح مقدمہ صحیح مسلم
xiii - سعدیات فارسی
xiv - مولانا عبید اللہ سندھی کے علوم و افکار
xv - مختصر ترین اور جامع افکار

صوفی عبدالحقید سواتی کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ انھیں مختلف علوم و فنون پر کمال دسترس حاصل تھی۔ تصنیف و تالیف کا کام آخری وقت تک جاری رہا۔ ان کا بہت سا کام غیر مطلوبہ حالت میں موجود ہے جو وسائل کی عدم دستیابی کی وجہ سے شائع نہ ہو سکا۔ اور کچھ کام ایسا بھی ہے جو وہ آخری دنوں میں کر رہے تھے اور اپنی بیماری کی وجہ سے مکمل نہ کر سکے۔ یہ کام بھی تکمیل اور اشاعت کی راہ دیکھ رہا ہے۔

تحریک ختم نبوت سے وابستگی:

آپ نے اپنی جوانی میں ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت کے آغاز کے ساتھ ہی اپنی پر جوش اور ولولہ انگیز نظریہ سے رائے عامہ کی ذہن سازی کی اور عذائیت کے خلاف علم احتجاج بلند کیا اور اس تحریک کی مکمل طور پر پشت پناہی کی۔ کلمہ حق بلند کرنے کی پاداش میں سات ماہ تک قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ صوفی صاحب فرماتے ہیں کہ مرزا نظام احمد قادیانی کا معاملہ مسلمہ کد اب اور اسودھی جیسا ہے۔ انھیں مسئلہ ختم نبوت سے بہت زیادہ محبت تھی، جس کا اظہار وہ ہمیشہ اپنی تحریر و تقریر میں کرتے تھے۔ ان کا موقف تھا کہ مسئلہ ختم نبوت ایمان اور عقیدہ کی بنیاد ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے خارجی اور رافضی فتنے کا بھی تعاقب فرمایا۔ مندرجہ انکار حدیث کی بھی سرکوبی کی۔

سیاسی خدمات:

سواتی صاحب میں بچپن ہی سے سیاسی بصیرت موجود تھی، حالات حاضرہ سے باخبر رہنے کیلئے باقاعدگی سے اخبار کا مطالعہ کرتے تھے۔ زمانہ طالب علمی میں تحریک آزادی سے وابستگی اختیار کی۔ ۱۹۵۵ء سے ۱۹۵۸ء تک مجلس احرار اسلام کے سرگرم رکن رہے۔ ۱۹۳۵ء کے بعد جمعیۃ علماء ہند سے وابستہ ہو گئے۔ قیام پاکستان کے بعد بھی اس جماعت سے منسلک رہے۔ بعد ازاں جمعیت علماء اسلام میں شامل ہو گئے۔ ان کا ادارہ ایک عرصہ تک جمعیت کی سرگرمیوں کا مرکز رہا۔ آپ جمعیت علماء اسلام کے اجلاسوں اور کانفرنسوں میں شرکت کرتے رہے۔ ۱۹۷۵ء میں اپنے ادارہ میں جمعیت علماء اسلام کی آل پاکستان تین روزہ نظام شریعت کانفرنس بھی منعقد کرائی۔ جمعیت علماء اسلام کے تربیتی کونشن کا بھی اہتمام کرتے تھے نیز ان

جماعتوں کی مالی معاونت بھی فرماتے تھے۔ ۱۹۵۲ء میں جدید اور قدیم تعلیم یازد اہل علم کو قریب کرنے کیلئے ایک سیاسی جماعت بنانے کا ارادہ بھی کیا تھا۔ صدر ایوب خان کے زمانہ میں مائلی قوانین کا اٹھ ہوا۔ یہ قوانین کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے صریحاً خلاف تھے، اس لیے انھوں نے ان قوانین کے خلاف آواز حق بلند کی۔ آپ نے مولانا فضل الرحمن اور مولانا مسیح الحق کے مابین اتحاد کیلئے بھی بہت زیادہ کوششیں کیں۔ (۴)

لمت اسلامیہ کی زبوں حالی پر دینی حیات کا اظہار:

یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ عالم کفر کی جانب سے امت مسلمہ کے وجود کو صفحہ ہستی سے مٹانے کیلئے ہمہ قسم جھنڈے استعمال کیے جا رہے ہیں۔ مسلمانوں کو زیر کرنے کیلئے فلسطین کی مقدس سر زمین پر اسرائیل کو جنم دیا گیا۔ مسلمانوں پر اسرائیلی مظالم کی انتہا ہو چکی ہے۔ سواتی صاحب نے ان مظالم کو اسلام دشمنی قرار دیتے ہوئے براہ خدمت کی۔ ۱۹۸۸ء میں مصری صدر انور السادات کے اسرائیلی معاہدے پر مذمت کی۔ فلسطین کے مظلوم مسلمانوں کے قتل عام اور مسلم سیکرٹوں کی بے حس کی سخت مذمت کی۔ ۱۹۸۲ء میں سلامتی کونسل کی طرف سے اسرائیل کے خلاف قرار دوا مذمت کو امریکہ نے ویٹو کیا۔ جس پر سواتی صاحب نے سلامتی کونسل اور امریکہ کے اس منافقانہ رویے کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔ افغانستان کے مظلوم مسلمانوں کی تباہی کی۔ روسی فوجیں افغانستان کے بعد پاکستان پر قبضہ کر کے گرم پانی تک رسائی حاصل کرنا چاہتی تھیں نیز روس جنوبی ایشیا میں اپنا تسلط قائم کرنا چاہتا تھا۔ آپ نے روس کے ان جارحانہ عزائم کی بروقت نکتہ بندی کی۔ ایران عراق جنگ کو مسلمانوں کیلئے نقصان دہ قرار دیا۔ ۱۹۷۹ء میں بیت اللہ پر شریکینوں کے قبضے کو بیرونی سازش قرار دیا اور سعودی حکمرانوں کی نااہلی اور غفلت کی شدید مذمت کی۔ سقوط بنگال کو عالمی سازش قرار دیا۔ ۱۹۸۸ء میں بوسنیا کے مظلوم مسلمانوں کے حق میں آواز بلند کی، بخیریری مسلمانوں کی تباہی کی اور طالبان کی بھی تباہی کرتے رہے۔ ۱۹۹۸ء میں علیج میں امریکی افواج کے قدم بتانے میں سعودی عرب کو مورد الزام ٹھہرایا۔ پاکستانی مسلمانوں کو فرقہ واریت سے اجتناب کی تلقین کی اور عیسائی ایم جی اوز کی سرگرمیوں سے مسلمانوں کو آگاہ کیا۔ اس طرح سواتی صاحب نے اپنی زندگی میں امت مسلمہ کی

زبوں حالی پر دینی حیات کا عملی اظہار کیا۔ (۵)

تفسیر معالم القرآن فی دروس القرآن عاصم کے نظر میں:

قرآن کریم وہ حکمت آفرین کتاب ہے جس کی تفہیم بشریح اور توضیح کے لیے بے شمار کتب احاطہ تحریر میں آئیں اور اس کا سلسلہ چودہ سو سال سے آج تک جاری و ساری ہے اور جب تک دنیا قائم و دائم ہے تب تک قرآن کی تفسیریں لکھی جاتی رہیں گی۔ قرآن کی تفہیم و تشریح کے لئے مختلف مفسرین نے مختلف انداز اپنایا۔ کسی نے قرآن کی تفسیر اسلامیاتی حوالے سے کی تو کسی نے تاریخی نقطہ نظر سے، کسی نے قرآن کو معاشرتی پس منظر میں سمجھنے کی کوشش کی تو کسی نے سائنسی نقطہ نظر سے۔ صوفی عبد الحمید سواتی نے ”معالم القرآن فی دروس القرآن“ کو جدید انداز میں اور عصری تقاضوں کو مد نظر رکھ کر تحریر کیا ہے۔ مزید یہ کہ اس میں تفسیر قرآن بالقرآن حدیث نبوی ﷺ، اقوال اصحاب، اقوال تابعین، اقوال تبع تابعین، اور کام عرب کا نمونہ ہے۔ آپ کی تفسیر کے محاسن درج ذیل ہیں۔

۱۔ قرآن کریم وہ حکمت آفرین کتاب ہے جو تمام عالم انسانیت کے لیے نازل ہوئی ہے۔ وہ عالم ہوں یا جاہل ہوں یا چھوٹے مرد ہوں یا عورت بشیری ہوں یا دیہاتی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو ایسے الملوہ سے مزین کیا ہے جو تمام افراد کی فہم کے مطابق ہے۔ عالم کے لیے اس میں اعلیٰ نگری مواد موجود ہے اور ناخواندہ اور عامی اشخاص کے لیے سہل اور گفتگو کا انداز۔ سواتی صاحب قرآن کی اس حکمت سے بخوبی واقف ہیں۔ اس لیے انھوں نے قرآن کی تفسیر لکھتے ہوئے نہ عالمانہ انداز اپنایا ہے اور نہ لفظی بازی گری کرنے کا مصنوعی انداز اختیار کیا ہے۔ ان کا مقصد تحریر کا وہ انداز اختیار کرنا ہے جس سے بات دل سے نکلے اور دل پر اثر کرے۔ (از دل فیروز دل ریز)۔ ان کا الملوہ رواں، ہشت اور عام فہم ہے۔ ان کی تحریر میں دقیق اور بھاری بحکم اصطلاحیں دیکھنے میں نہیں آتیں اور نہ پیچیدہ ازفہم اور فرسودہ انداز بیان۔ ان کی تحریر کو پڑھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مادی کا ایک رواں بہاؤ ہے جو بڑی نرم روی سے بہتا چلا جا رہا ہے۔

۲۔ صوفی عبد الحمید سواتی کے دل میں مسلمانوں کی گچی ہمدردی اور خیر خواہی کا جذبہ

موجود تھا جس کا وہ اپنی تفسیر میں جا بجا اظہار کرتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کی بد حالی پر روتے اور گھومتے ہیں اور مسلمانوں میں موجود بنیادی خرابیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے ہدایت کرتے ہیں کہ وہ اپنے سیاسی، معاشی معاشرتی، تہارتی اور دیگر بلند مقامات میں غیر مسلم اقوام کی بجائے قرآن کو اپنا رہنما بنائیں۔

قرآن مجید کی آیت **يَسْلُونَكَ مَاذَا ابْنَقُونَ (۶)** کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”افترض! اسلامی معاشرہ کی تفسیر کے لیے ضروری ہے کہ کمزوروں اور محتاجوں کی اعانت کی جائے تاکہ وہ سوسائٹی میں باحزت مقام حاصل کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان مدات پر مال صرف کرنے کا حکم دیا ہے۔ برخلاف اس کے غیر ضروری اور ناجائز کاموں پر خرچ کرنے سے منع فرمایا ہے اور اسے اسراف سے تعبیر کیا ہے اللہ تعالیٰ نے دیواروں پر پردے لگانے اور تصاویر آویزاں کرنے کے حکم تو نہیں دیا ہے۔ باجے گانے اور عیاشی و فحاشی سے منع فرمایا ہے بلکہ محتاجوں و ناتوانوں کی دست گیری کا حکم دیا ہے۔ صحابہ کرامؓ اور سلف صالحین کے دور کا مطالعہ کریں کہ وہ غریب طبقات کی کس طرح مدد کرتے تھے۔ ان کی عزت نفس کا خیال رکھتے تھے ان کے احساس تک کو بخروج ہونے سے بچاتے تھے ان کی ضرورت خفیہ طریقے سے ان کے گھروں پر پہنچا دیتے تھے۔ اسلامی سوسائٹی کا معیار تو یہ ہے انسانیت کا مقام اس طرح بلند ہوتا ہے مگر آج ہمارے یہ کمرے پڑے۔ گواہانے کی بجائے اسے بالکل ختم کرنے کے درپے ہیں، امیر امیر سے امیر تر اور غریب غریب سے غریب تر ہو رہا ہے۔ اپنے عیش و آرام کی خاطر دوسروں کا خون چوسا جا رہا ہے۔ مگر اسلامی سوسائٹی کی تفسیر کے لیے مستقیماً کی طرف توجہ نہیں دی جا رہی ہے والدین کو گھر سے نکالا جا رہا ہے قربت داروں سے عداوت ہے پڑوسی بھوکا ہے تو کوئی پروا نہیں یہ انٹر کانتی نیکل میں دو عیش دے رہے ہیں غریب کے پاس دوائی لانے کے لیے پیسے نہیں مگر بلا ضرورت اپنے نفس پر خرچ کر رہا ہے۔ (۷)

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں۔

”بد قسمتی یہ ہے کہ آج کا مسلمان بھی اپنے دین پر اعتماد نہیں کرتا۔ آج کے مسلمان

بھی یہی سمجھتے ہیں کہ جب تک غیر اقوام کی شاگردی اختیار نہیں کریں گے ترقی نصیب نہیں ہو گی۔“ (۸)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں۔

”مسلمان اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی بجائے اغیار کے مشوروں کے سہارے چل رہے ہیں کوئی معاملہ ہو، سیاسیات ہوں یا اقتصادیات، زراعت ہو یا تجارت ہر چیز میں غیر مسلم دخل ہیں۔“ (۹)

درج بالا انتہائیات میں صوفی عبدالحمید سواتی نے عام معاشرتی خرابیوں کا ذکر کیا ہے جن سے معاشرے میں عدم توازن پیدا ہوتا ہے۔ یہی عدم توازن احساسِ محرومی کو جنم دیتا ہے اور اسی احساسِ محرومی کی وجہ سے معاشرہ شکست و ریخت کا شکار ہو جاتا ہے اور زوال اس کا مقدر بن جاتا ہے۔ مزید یہ کہ سواتی صاحب صرف معاشرتی خرابیوں کی نشاندہی کر کے خاموش نہیں ہو جاتے اور ان مسائل کے حل تلاش کرنے کی زحمت سے پیچھا نہیں چھڑا لیتے بلکہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ان مسائل کا حل بھی تجویز کرتے ہیں اور یہ بدلت کرتے ہیں کہ وہ اپنے معاملات کے حل کرنے میں آنکھیں بند کر کے غیر مسلم اقوام کی پیروی کرنے کی بجائے اسلام اور قرآن سے رہنمائی حاصل کریں۔ انھیں ان کے تمام مسائل کا حل قرآن اور اسلامی تعلیمات میں مل جائے گا۔

۱۱۔ صوفی عبدالحمید سواتی عصری شعور رکھتے تھے اور دنیا کی سیاست اور تاریخ پر گہری نظر رکھتے تھے۔ صوفی عبدالحمید سواتی اپنی تفسیر میں جا بجا یہود و نصاریٰ کے مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے مظالم اور طاقتور ریاستوں کا کمزور ریاستوں سے رویے کا ذکر کرتے ہیں۔

”ہر طرف مادی ترقی کا دور دورہ ہے مگر کوئی، کو نہ ایسا نہیں جہاں ظلم و ستم کا بازار گرم نہ ہو۔ ایک سے ایک بڑھ کر ظالم موجود ہے کمزور کو کھٹکا عاتقوں کا مشغلہ بن چکا ہے۔ امریکہ اور اس کی کھٹکس میں دیت نام کے دس لاکھ ہلاک ہوئے یہ ظلم و ستم بیس سال تک جاری رہا۔“ (۱۰)

مزید لکھتے ہیں۔

”اسرائیل امریکہ کا پالتو دندہ ہے جب چاہتا ہے تسلطی مہاجرین پر چڑھ دوڑتا ہے مسلمانوں کی ہزاروں لڑکیاں ان کی تیل میں ہیں جن سے ظالمانہ ملک ہو رہا ہے“ (۱۱)

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں۔

”بظرف غور دیکھا جائے تو اسرائیل کو چار عالمی طاقتوں امریکہ، برطانیہ، فرانس اور روس کی پشت پناہی حاصل ہے۔ ان میں سے اول الذکر تین عیسائی ہیں اور چوتھی دہریہ ہے۔ اسرائیل ان سب کی مشترکہ چھاؤنی ہے جسے دودگرد کے مسلمان ملکوں کو تنگ کرنے کے لیے قائم کیا گیا ہے۔“ (۱۲)

ایک جگہ لکھتے ہیں۔

”1971ء میں جب مشرقی پاکستان علیحدہ ہوا تو اندرا گاندھی کی زبان سے یہ بات نکل گئی کہ ہم نے ہندوستان پر مسلمانوں کی ہزار سالہ حکومت کا چلہ لے لیا ہے۔ اسی طرح انگریز، عیسائی، امریکی، ہندو اور یہود ہمیشہ مسلمانوں کے بد خواہی رہیں گے۔“ (۱۳)

اغرض صوفی عبدالحمید سواتی نے اپنی تفسیر میں مسلمانوں پر غیر مسلم اقوام کے ظلم و ستم کی تفصیل بیان کی ہے کہ ان بڑی طاقتوں نے مسلمانوں پر ظلم و ستم کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ مسلمانوں کو گارہ مولیٰ کی طرح کاٹا جا رہا ہے۔ اگرچہ یہ بڑی طاقتیں ایک ہی مذہب (عیسائیت) سے تعلق رکھتے ہوئے بھی ایک دوسرے کو پسند نہیں کرتیں اور ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں چھوڑتیں لیکن جب اسلام کا معاملہ ہو تو یہ سب طاقتیں اکٹھی ہو جاتیں ہیں۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت اسرائیل کا قیام اور اس کی پشت پناہی ہے۔

۱۷۔ سواتی صاحب نے اپنی تفسیر ’معالم القرآن فی دروس القرآن‘ میں جا بجا شاہ ولی اللہ کے افکار و نظریات اور فلسفے سے استفادہ کیا ہے اور انھیں اپنی تفسیر کی زینت بنایا ہے۔ تفسیر کا سرسری مطالعہ کرنے سے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ کی تفسیر پر شاہ ولی اللہ کے افکار و نظریات کی گہری چھاپ موجود ہے۔ جگہ جگہ شاہ ولی اللہ کی کتابوں کے حوالے موجود ہیں اور ان سے کہیں مختصر اور کہیں ضمیمہ انتہائیات پیش کیے ہیں۔

مثلاً قرآن مجید کی آیت ایاک نعبدو ایاک نستعین (۱۴) کی تشریح میں

لکھتے ہیں کہ:-

”شاء ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ انسان کی حقیقی سعادت اللہ تعالیٰ کی عبادت پر موقوف ہے۔ اگر انسان اللہ تعالیٰ کی صحیح طریقے سے عبادت کریں گے تو ان کو سعادت نصیب ہو سکے گی اس کے بغیر کوئی آدمی سعادت مند نہیں ہو سکتا۔“ (۱۵)

گویا عبدالحمید سواتی نے شاء ولی اللہ کی فکر کی روشنی میں انسان کی حقیقی سعادت مادی کی نظر انداز کی ہے کہ دنیا کا حاصل ہو جانا اصل سعادت مادی نہیں بلکہ اصل سعادت مادی اللہ کی عبادت میں ہے۔

اسی طرح قرآن مجید کی آیت یا ایھا الذین امنوا اسعینوا بالصلوٰۃ والصلوٰۃ (۱۶) کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:-

”شاء ولی اللہ محدث دہلوی کی حکمت کے مطابق کوئی بھی قوم ترقی کی پانچ منازل طے کئے بغیر برسر عروج نہیں پہنچ سکتی۔ ترقی یافتہ قوم کی پہلی منزل تہذیب الاخلاق ہے اور دوسری تدبیر منزل، ترقی یافتہ قوم کی تیسری منزل تدبیر مدینہ ہوتی ہے، چوتھی منزل اصلاح ملک سے متعلق ہوتی ہے اور پانچویں منزل خلافت کبریٰ کی ہے جس کے ذریعے تمام جہاں کی اصلاح مطلوب ہوتی ہے۔ (۱۷)

اس انتہاس سے شاء ولی اللہ کے فلسفے کی روشنی میں کسی بھی قوم کی ترقی کی راہ کا تعین ہوتا ہے۔

ایک اور مقام پر شاء ولی اللہ کے حوالہ سے فرماتے ہیں:-

”جو سونا کئی اپنے غریبوں اور محتاجوں کا خیال نہیں رکھتی وہ مٹا دینے کے قابل ہے۔“ (۱۸)

گویا عبدالحمید سواتی اپنی تفسیر میں فکر ولی اللہی سے متاثر نظر آتے ہیں اور تفسیر میں جا بجا ان کے فلسفے کی وضاحت کرتے ہیں۔

۷۔ سواتی صاحب بین الاقوامی سیاسی اور معاشی نظاموں کا گہرا شعور رکھتے ہیں۔ انھوں نے ان نظاموں (سرمایہ داری، سوشل ازم، کمیونزم وغیرہ) کا نہ صرف بنیاد مطالعہ کیا بلکہ ان میں

موجود خامیوں کا اور اک بھی حاصل کیا۔ انھوں نے ان نظاموں کا اسلامی نظام سے تقابلی مطالعہ کر کے اسلامی نظام کی حقانیت واضح کی اور مذکورہ بالا نظاموں پر اسلامی نظام کی برتری ثابت بھی کی۔

سواتی صاحب شاء ولی اللہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:-

”دنیا میں اخلاق کا بگاڑ پیدا کرنے والی دو چیزیں ہیں ایک مہر یلزم جسے شہنشاہیت یا ملوکیت کہا جاتا ہے اور دوسری سرمایہ داری۔ ملوکیت میں من مانی کاروائیاں کی جاتی ہیں اور سرمایہ داری میں بھی انسان حلال و حرام کی تمیز کے بغیر مال اکٹھا کرنے کی فکر میں لگا رہتا ہے جس سے دوسرے لوگوں کے حقوق ضائع ہوتے ہیں۔ جبکہ اسلام میں حق تعالیٰ کی بجائے حق ربی ہوتی ہے ذرائع آمدن پر کنٹرول کر کے حلت و حرمت کو واضح کیا جاتا ہے۔ سرمایہ داری کی حوصلہ افزائی کی بجائے اس کی اصلاح کی جاتی ہے۔ رزق حلال کمانے کی ترغیب دی جاتی ہے اسلام میں باطل نظاموں کو ختم کر کے اپنا اعلیٰ و ارفع نظام قائم کیا ہے۔ جسے مسلمان بھول چکے ہیں۔ (۱۹)

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:-

”سرمایہ داری ہمیشہ قبول حق میں مانع رہی ہے۔“ (۲۰)

قرآن مجید کی آیت لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون (۲۱) کی تفسیر میں معاشی نظام کی بابت لکھتے ہیں:-

”سرمایہ داری نظام میں ہر شخص اپنے بنک بیلنس کی فکر میں رہتا ہے۔ جائز و ناجائز، حلال و حرام کی کوئی تمیز نہیں۔ اسی لیے قرآن نے سرمایہ دارانہ نظام کو لعنتی قرار دیا ہے۔ امریکہ، برطانیہ، فرانس سب لعنتی نظام معیشت کو اپنائے ہوئے ہیں و مائل معیشت اکثر ناجائز ہیں۔ دوسری طرف الحادی نظام ہے۔ یہ سر اسر خدا تعالیٰ اور شرائع الہیہ کا انکار ہے، روس اور چین وغیرہ میں یہی نظام ہے مگر سرمایہ دارانہ نظام کی طرح یہ اشتراکی نظام بھی ملعون ہے۔“ آگے لکھتے ہیں

بہر حال اسلام کے علاوہ جو بھی نظام معیشت ہے سب ملعون ہے۔ یہ انسانیت کے خلاف ہے۔ البتہ اسلام کا نظام اور انبیاء کا نظام بالکل الگ ہے اس میں حلال و حرام کی

پابندیاں اسراف و تبذیر کی پابندیاں ہیں۔“ (۲۲)

مذکورہ انتہائیات میں صوفی عبدالحمید سواتی نے اس وقت دنیا میں رائج معاشی نظاموں کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان نظاموں کی بنیاد ظلم و زیادتی پر مبنی ہیں اور ان کا مقصد حاکم کو مزید طاقتور بنانا اور کمزور کو مزید کمزور کرنا ہے تاکہ اختصالی قوتیں اپنا کھیل کھیلتی رہیں۔ اقبال نے انہیں نظاموں کو دیو استبداد سے تعبیر کیا ہے جو جمہوری قبا میں لبوس ہے اور ظریب اور دل نشیں سحر انگیز یوں سے معصوم عوام کو خوش ناظم میں گرفتار کر کے ہمیشہ ہمیش کے لیے غلام بنانا چاہتا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام میں شخصی ملکیت کا تصور پایا جاتا ہے اور اشتراکی نظام میں ہر چیز حکومت کی ملکیت میں ہوتی ہے۔ تمام وسائل آمدنی حکومت کی تحویل میں ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ دونوں نظام ہائے معیشت غیر نظری اور باطل ہیں۔ ان کے مقابلے میں اسلامی نظام معیشت نظری اور جائز ہے انہوں نے آج دنیا کی اقتصادی بحالی کا علاج اسلامی نظام معیشت میں تلاش کیا ہے۔ معالم لہر قان کی یہ ایک اہم خصوصیت ہے کہ اس میں جائز باطل نظام ہائے معیشت کی خامیاں بیان کی گئی ہیں اور معاشی مسائل کے حل کا علاج اسلامی نظام معیشت میں بتایا گیا ہے۔

vi- سواتی صاحب کا فقہ پر بھی گہرا عبور تھا۔ انہوں نے فقہ کا مطالعہ کیا اور قرآن کی تفسیر لکھتے ہوئے ان آیات کا جن میں فقہی مسائل بیان ہوئے ہیں، مفصل مطالعہ پیش کیا ہے۔ فقہی مسائل پر بحث کرتے ہوئے فقہائے کرام کے مابین فقہی اختلافات کو بھی پیش کرتے ہیں۔ تفسیر میں اکثر مقامات پر فقہ حنفی کے دلائل کو ترجیح دیتے ہیں۔

مثلاً مسئلہ ولایت کے ضمن میں لکھتے ہیں۔

”اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا اختلاف ہے کہ آیا عائد بالغ و عورت بغیر ولی کے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں امام ابو حنیفہؒ اس کے حق میں ہیں جبکہ امام شافعیؒ کا فتویٰ اس کے خلاف ہے، دونوں طرف دلائل موجود ہیں تاہم امام اعظمؒ کی رائے زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے۔“ (۲۳)

اسی طرح مدت رضاعت کے بارے میں رقمطراز ہیں۔

”رضاعت یعنی دودھ پلانے کی مدت کے متعلق فقہائے کرام کے مختلف اقوال ہیں جن فقہائے کرام نے اس آیت سے استدلال کیا ہے وہ رضاعت کی مدت دو سال بتاتے ہیں۔ حولین کا طعن (۲۴) مگر امام مالک دو سال تین ماہ کے قائل ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ رضاعت کی انتہائی مدت اڑھائی سال ہے۔ وہ سورۃ انفکات کی آیت وحملہ و فصلۃ ثلثون شہر“ (۲۵)

یعنی ثلث اور دودھ پلانے کی مدت تین ماہ ہے جو کہ اڑھائی سال بنتے ہیں۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس آیت میں جو دو سال کا ذکر ہے تو یہ قانونی مدت رضاعت ہے قانونی حیثیت سے دو سال تک دودھ پلانا ضروری ہے تاہم زیادہ سے زیادہ مدت اڑھائی سال ہے تاہم کسی کو دو سال سے زیادہ عرصہ کے لیے دودھ پلانے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ اخلاقی طور پر اگر ماں رضا مند ہو تو ایسا ہو سکتا ہے۔“ (۲۶)

اسی طرح دیگر کئی مقامات ایسے ہیں جہاں فقہی اختلاف بیان کئے گئے ہیں۔

vii- معالم لہر قان میں قرآن مجید کی آیات کے مابین باہمی ربط پیدا کرنے کے لیے باقاعدہ ”ربط آیات“ کے نام سے اکثر آیات کی تفسیر سے قبل عنوان دیا گیا ہے لیکن آیات کے مابین حقیقی ربط یا نظم نہیں بتایا جاتا تاہم بعض مقامات پر واقعی ربط بیان کرتے ہیں۔ مثلاً قرآن مجید کی آیت:-

الم تر الى الملاء من بنی اسرائیل من بعد موسیٰ اذ

قالو (۲۷)

کا ماقبل آیت سے ربط بیان کرتے ہوئے صوفی صاحب لکھتے ہیں۔

”گدشتہ آیت کریمہ جہاد کے مسئلہ میں بحوالہ تمہید غنی اس میں جہاد بالمال اور جہاد بالنفس کی ترغیب دی گئی تھی اور ان آیات میں جہاد ہی کے متعلق تنظیم کا تذکرہ ہے جہاد ایک اجتماعی مسئلہ ہے اور اس کی تنظیم کا ہونا نہایت ضروری۔“ (۲۸)

معالم لہر قان کے مذکورہ بالا محاسن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ تفسیر واقعی عہد حاضر کے تقاضوں کے مطابق لکھی گئی ہے اور اس میں دور حاضر کے مختلف مسائل کا حل پیش کیا گیا

ہے۔ ان خوبیوں کے علاوہ اس تفسیر میں کچھ معائب بھی ہیں مثلاً:

۱۔ مؤلف ہر آیت کے ترجمہ کے بعد ”رابط آیات“ کا عنوان دیتے ہیں جن کا بظاہر قاری کو یہ احساس ہوتا ہے کہ اس میں نظم آیات کا اہتمام کیا گیا ہے جبکہ اکثر مقامات پر حقیقی رابط بیان نہیں کیا جاتا اور جن آیات میں واضح رابط پایا جاتا ہے ان مقامات پر واقع رابط پیدا کرتے ہیں۔

ب۔ اکثر احادیث اور اقوال بلا حوالہ بیان کئے گئے ہیں مثلاً ایک مقام پر لکھتے ہیں۔

”بخاری شریف اور بعض دیگر احادیث میں ایک اور پتے کا واقعہ بھی آتا ہے ایک عورت اپنے پتے کو دودھ پلا رہی تھی پاس سے کچھ لوگ گزرے جو ایک عورت پر چوری اور بدکاری کا الزام لگا کر اسے پٹتے جارہے تھے مگر وہ زبان سے یہی کہہ رہی تھی جسے اللہ“ (۲۹)

تاثیر میں اس حدیث کی بابت کوئی حوالہ نہیں دیا گیا ہے۔ حواشی ایک اہم چیز ہے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف/مصحف نے کن کن کتابوں سے استفادہ کیا ہے اور کس طرح استخراج و استنباط کئے ہیں۔ اس لئے مصادر و مراجع سے کسی کتاب کی قدر و قیمت زیادہ ہو جاتی ہے۔ اگرچہ بعض مقامات پر حواشی و حوالہ جات کے اہتمام کی کوشش کی گئی ہے لیکن حوالہ جات انتہائی نامکمل ہونے کے ساتھ ساتھ کسی معروف نظام کے پابند نظر نہیں آتے مثلاً چوتھی جلد کے صفحہ ۵۴۳ کا حاشیہ نمبر ۱ لکھا ہے ”ترذی ص ۳۳۸“ جو کہ نامکمل ہے۔ حوالہ جات مکمل ہونے چاہئیں کیونکہ مکمل حوالہ جات کے ذریعے مختلف مصنفوں کی کتابوں، تحریروں اور دستاویزات سے استفادہ کا اعتراف ہوتا ہے اور مصنف/مؤلف کے استعمال کئے ہوئے مواد کے مستند ہونے کا پتہ چلتا ہے۔

ج۔ عالم لغزبان کی بعض عبارتوں اور واقعات کے بیان میں تکرار کا عنصر موجود ہے۔ شاہ ولی اللہ اور ان کے خانوادے سے ان کا تعلق اس تکرار کا باعث بنا ہے۔ شاہ ولی اللہ کی محبت اور ان کے افکار و نظریات کے بیان میں یہ تسکیل اور تکرار بعض اوقات ناگوار محسوس ہوتی ہے۔ تفسیر میں جا بجا شاہ ولی اللہ کا تعارف اور علمی خدمات کا بیان نظر آتا ہے۔ شاہ ولی اللہ

کے علاوہ شیخ الہند مولانا محمود الحسن کی اسیری کے واقعات اور ان کے ترجمہ قرآن کے بارے میں بھی بعض مقامات پر تکرار کا عنصر موجود ہے۔

دقت:

صوفی عبدالحمید سواتی زندگی کے آخری سالوں میں بیماری میں مبتلا ہو گئے فروری ۲۰۰۸ء میں آپ کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی اور غنودگی میں چلے گئے، آخر کار علم و حکمت کا یہ پیڑا ۱۶ اپریل ۲۰۰۸ء میں اللہ کو پیارا ہو گیا۔ نماز جنازہ اُنکے بڑے بیٹے مولانا محمد فیاض خان سواتی نے پڑھائی۔ جس میں ایک لاکھ سے زائد افراد نے شرکت کی۔

افترض صوفی عبدالحمید سواتی بہت بڑی علمی اور روحانی شخصیت تھے پیکر صدق و وفا تھے۔ ذور اندیش ولی کامل تھے۔ روشن ستارے کی مانند تھے جن سے ہنگے ہوئے لوگوں کو راہ حق ملی، ان سے ہزاروں صمیم روشن ہوئیں۔ مفسر قرآن، فلسفہ شاہ ولی اللہ اور عبید اللہ سندھی کی فکر کے انقلابی نظریات کے محافظ تھے۔ نصرتِ اعلوم کا قیام و ترقی اسلام کی ایک عظیم خدمت ہے۔ آپ دور حاضر کی نابھ روزگار شخصیت اور اسلاف کی یادگار تھے۔ عمر بھر اشاعت اسلام کے لیے کوشش کرتے تھے۔ آپ کی وفات سے پیدا ہونے والا خلا کبھی پورا نہیں ہوگا۔ آپ کے اوارے سے لاکھوں تشنگانِ علم، علومِ دینیہ سے سیراب ہوئے اور ہوتے رہیں گے۔ مجتہدانہ اوصاف کے باوجود انہر کے مسلک و مشرب کے دشمن تھے۔

۳۰۔ سواتی صوفی عبدالحمید نقیر، معالم العرفان فی دروس القرآن ۱۳/ ۵۶۷ مکتبہ دروس القرآن کوثر انوار

۳۱۔ آلی عمران ۶۸

۳۲۔ سواتی صوفی عبدالحمید نقیر، معالم العرفان فی دروس القرآن ۱۳/ ۵۱۰۔ ۳۰۰ مکتبہ دروس القرآن کوثر انوار

۳۳۔ سواتی صوفی عبدالحمید نقیر، معالم العرفان فی دروس القرآن ۱۳/ ۳۱۰ مکتبہ دروس القرآن کوثر انوار

۳۴۔ بقرہ ۲۳۳

۳۵۔ احزاب ۱۵

۳۶۔ سواتی صوفی عبدالحمید نقیر، معالم العرفان فی دروس القرآن ۱۳/ ۱۵۰ مکتبہ دروس القرآن کوثر انوار

۳۷۔ بقرہ ۲۳۶

۳۸۔ سواتی صوفی عبدالحمید نقیر، معالم العرفان فی دروس القرآن ۱۳/ ۵۳۰ مکتبہ دروس القرآن کوثر انوار

۳۹۔ سواتی صوفی عبدالحمید نقیر، معالم العرفان فی دروس القرآن ۱۳/ ۱۶۴ مکتبہ دروس القرآن کوثر انوار

حواشی و حوالہ جات

۱۔ ۱۰۵۷ھ لکھنؤ، کوثر انوار، مفسر قرآن نیر مدیر اعلیٰ مولانا محمد فیاض خان سواتی غازی گنج کوثر انوار، اگست تا اکتوبر ۲۰۰۸ء، جلد نمبر ۱۳، شمارہ ۹، ۱۰، ۸، صفحہ ۲۶-۲۵

۲۔ مقالات سواتی ۱/ ۳۶۷-۳۶۵

۳۔ ۱۰۵۷ھ لکھنؤ، کوثر انوار، مفسر قرآن نیر مدیر اعلیٰ مولانا محمد فیاض خان سواتی غازی گنج کوثر انوار، اگست تا اکتوبر ۲۰۰۸ء، جلد نمبر ۱۳، شمارہ ۹، ۱۰، ۸، صفحہ ۱۱۰-۹۹

۴۔ ۱۰۵۷ھ لکھنؤ، کوثر انوار، مفسر قرآن نیر مدیر اعلیٰ مولانا محمد فیاض خان سواتی غازی گنج کوثر انوار، اگست تا اکتوبر ۲۰۰۸ء، جلد نمبر ۱۳، شمارہ ۹، ۱۰، ۸، صفحہ ۵۳-۵۲

۵۔ سواتی صوفی عبدالحمید نقیر، معالم العرفان فی دروس القرآن ۱۳/ ۳۲۶ مکتبہ دروس القرآن کوثر انوار

۶۔ بابہ ۱۵: ۳۱۵

۷۔ (معالم العرفان فی دروس القرآن ص ۱۸۶ تا ۱۸۸ ج ۸)

۸۔ سواتی صوفی عبدالحمید نقیر، معالم العرفان فی دروس القرآن ۱۳/ ۲۸۵ مکتبہ دروس القرآن کوثر انوار

۹۔ سواتی صوفی عبدالحمید نقیر، معالم العرفان فی دروس القرآن ۱۳/ ۳۹۱ مکتبہ دروس القرآن کوثر انوار

۱۰۔ سواتی صوفی عبدالحمید نقیر، معالم العرفان فی دروس القرآن ۱۳/ ۱۱۹ مکتبہ دروس القرآن کوثر انوار

۱۱۔ سواتی صوفی عبدالحمید نقیر، معالم العرفان فی دروس القرآن ۱۳/ ۳۰۵ مکتبہ دروس القرآن کوثر انوار

۱۲۔ سواتی صوفی عبدالحمید نقیر، معالم العرفان فی دروس القرآن ۱۳/ ۳۶۹ مکتبہ دروس القرآن کوثر انوار

۱۳۔ سواتی صوفی عبدالحمید نقیر، معالم العرفان فی دروس القرآن ۱۳/ ۳۸۶ مکتبہ دروس القرآن کوثر انوار

۱۴۔ مائتہ ۴

۱۵۔ سواتی صوفی عبدالحمید نقیر، معالم العرفان فی دروس القرآن ۱۳/ ۱۲۱ مکتبہ دروس القرآن کوثر انوار

۱۶۔ بقرہ ۱۵۳

۱۷۔ سواتی صوفی عبدالحمید نقیر، معالم العرفان فی دروس القرآن ۱۳/ ۶۹-۷۰ مکتبہ دروس القرآن کوثر انوار

۱۸۔ سواتی صوفی عبدالحمید نقیر، معالم العرفان فی دروس القرآن ۱۳/ ۱۷۱ مکتبہ دروس القرآن کوثر انوار

۱۹۔ سواتی صوفی عبدالحمید نقیر، معالم العرفان فی دروس القرآن ۱۳/ ۵۵۷-۵۸۸ مکتبہ دروس القرآن کوثر انوار

التفسير، مجلس تفسیر، کراچی جلد ۶، شمارہ ۸۸، ۱۹۸۱ء، ص ۱۲ تا ۲۱۲ء

داعی قرآن: ڈاکٹر اسرار احمد

عبد الرحمن خان

ڈاکٹر اسرار احمد عظیم داعی قرآن تھے، انہوں نے قرآن حکیم کے علم و حکمت کی وسیع پیمانے اور اعلیٰ سطح پر تبلیغ کے لیے اپنی پوری زندگی وقف کر دی، تاکہ اسلام کی نجات دہانہ راہ ہموار ہو سکے۔ آپ نے قرآن کی درس و تدریس کے لیے تمام قدیم و جدید وسائل استعمال کیے۔ نظام خلافت کے قیام کی جدوجہد کے لیے ۱۹۷۵ء میں ”تنظیم اسلامی“ قائم کی جس کی قرار داتا سب سے ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:-

”آج ہم اللہ کا نام لے کر ایک ایسی اسلامی تنظیم کے قیام کا فیصلہ

کرتے ہیں جو دین کی جانب سے عائد کردہ جملہ انفرادی و اجتماعی

ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے میں ہماری مدد و معاون ہو۔

ہمارے نزدیک دین کا اصل مخاطب فرد ہے۔ اُسی کی اخلاقی و روحانی

تعمیل اور فلاح و نجات دین کا اصل موضوع ہے اور جوش نظر

اجتماعیت اصلاً اسی لئے مطلوب ہے کہ وہ فرد کو اس کے نصب العین

یعنی رضائے الہی کے حصول میں مدد دے۔

لہذا ہمیں نظر اجتماعیت کی نوعیت ایسی ہونی چاہئے کہ اُس میں فرد کی

دینی اور اخلاقی تربیت کا ماحول لحاظ رکھا جائے اور اس امر کا خصوصی اہتمام کیا جائے کہ اس کے تمام شرکاء کے دینی جذبات کو جلا حاصل ہو، ان کے علم میں مسلسل اضافہ ہوتا رہے، ان کے عقائد کی صحیح و تغیر ہو، عبادت اور اتباع سنت سے اُن کا شغف اور ذوق و شوق بڑھتا چلا جائے، عملی زندگی میں حلال و حرام کے بارے میں اُن کی حس تیز تر اور اُن کا عمل زیادہ سے زیادہ معنی بر تقویٰ ہوتا چلا جائے اور دین کی دعوت و اشاعت اور اس کی نصرت و اقامت کے لئے اُن کا جذبہ ترقی کرنا چلا جائے۔ ان تمام اُمور کے لئے دینی اور علمی رہنمائی کے ساتھ ساتھ عملی تربیت اور تاثیر صحبت کے اہتمام کی جانب خصوصی توجہ ناگزیر ہے۔

دعوت دین کے ضمن میں ہمارے نزدیک ”الذی-ہی اقصیٰ“ کی روح اور ”الاقرب فالاقرب“ کی تدریج ضروری ہے۔ لہذا دعوت و اصلاح کے عمل کو فرد سے اولاً کتبہ اور خاندان اور پھر تدریجاً ماحول کی جانب بڑھانا چاہئے۔ اس ضمن میں نئی نسل کی دینی تعلیم و تربیت کا خصوصی اہتمام ناگزیر ہے۔

عائد فلاس کو دین کی دعوت و تبلیغ کی جو ذمہ داری نصیب مسلمہ پر بحیثیت مجموعی عائد ہوتی ہے اس کے ضمن میں ہمارے نزدیک اہم ترین کام یہ ہے کہ جلالیت قدیم کے باطل عقائد و رسوم اور دور جدید کے گمراہ کن افکار و نظریات کا مدلل ابطال کیا جائے اور حیات انسانی کے مختلف پہلوؤں کے لئے کتاب و سنت کی ہدایت و رہنمائی کو وضاحت کے ساتھ پیش کیا جائے، تاکہ ان کی اصلی حکمت اور عقلی قدر و قیمت واضح ہو اور وہ شبہات و شکوک رفع ہوں جو اس دور کے لوگوں کے

ذہنوں میں موجود ہیں۔“ (۱)

ڈاکٹر صاحب کی زندگی کو ہم تین ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں :

پہلا دورہ: پیدائش اور تعلیم

ڈاکٹر صاحب ۲۶ اپریل ۱۹۳۲ء کو مشرقی پنجاب کے ایک قصبہ حصار میں پیدا ہوئے۔ ڈاکٹر اسرار احمد کے آباء و اجداد کا تعلق یوپی ہندوستان کے علاقے مظفر نگر سے تھا۔ ۱۸۵۷ء میں آپ کے دادا پٹنہ خاندان کے ساتھ ہجرت کر کے مشرقی پنجاب آ گئے۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو علامہ اقبال کی شاعری سے خصوصی شغف تھا۔ اسی لیے بچپن ہی میں ان کی اردو شاعری کے پہلے مجموعہ 'بانگ درا' کا مطالعہ کر لیا تھا۔ 'خصوصاً' طلوع اسلام کے یہ اشعار تو انہیں بے حد پسند تھے:

سر عجب حشمِ مسلم میں ہے نیماں کا اثر پیدا
خلیل اللہ کے دریا میں ہوں گے پھر مگر پیدا
کتابِ مہذبِ بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے
یہ شاخِ باغی کرنے کو ہے پھر برگِ در پیدا
اگر عثمانیوں پر کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے؟
کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سر پیدا
نوا پیرا ہوا۔ بلبل کہ ہو تیرے ترنم سے
کہتے کے تن نازک میں شاہیں کا جگر پیدا
سبقِ پھر پڑھ صداقت کا شجاعت کا عدالت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا" (۲)

۱۹۴۶ء میں جب تقسیم ہند کا معاملہ خوب زوروں پر تھا، اور مسلمانان برصغیر نظریاتی اعتبار سے تین دلوں میں تقسیم تھے۔ جماعت اسلامی کا نقطہ نظر یہ تھا کہ اولاً ہمارا مقصد مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ نہیں بلکہ اسلام کا نفاذ ہونا چاہیے۔ ہم مسلمانوں اور غیر مسلموں کے سامنے دین اسلام کی دعوت اور اس کے عملی تقاضے رکھیں۔ جو لوگ اس دعوت کو قبول کریں اب ان کو منظم کر کے اسلام کے عادلانہ نظام کے لیے بھرپور کوششیں کی جائیں۔ مگر اسلام کا

عادلانہ نظام بالفضل قائم ہو گیا تو اس کی برکات ہم دنیا میں بھی محسوس کریں گے اور آخرت کی تیاری کے لیے ایک سازگار ماحول مل سکے گا۔ دوسری سوچ جماعت علماء ہند کی تھی کہ ہماری اولین ترجیح ہندوستان کو برطانوی استعمار سے آزاد کرنا ہے۔ اس کے لیے اگر ہمیں ہندوؤں سے بھی اتحاد کرنا پڑے تو کر لیا جائے۔ استعمار سے آزادی کے بعد ہم شریعت اسلامی کے نفاذ کے لیے جدوجہد کریں گے۔ اور ہندوؤں نے اگر ہماری اس جدوجہد میں روڑے اٹھانے کی کوشش کی تو ہم ان کا مقابلہ کریں گے۔ چوں کہ ہم ان پر کئی سو سال حکومت کر چکے ہیں۔ تیسری سوچ مسلم لیگ کی تھی کہ استعماری اقتدار کے خاتمہ کے بعد ہم ہندو قوم کے ظلم و ستم کا شکار ہو جائیں گے کیونکہ ہمیں بار بار ان کی مسلم دشمنی اور تعصب کا تجربہ ہو چکا ہے۔ ہمیں مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے علیحدہ ملک بنانا ہو گا۔ تاکہ ہم اس ملک میں اسلام کا عادلانہ نظام قائم کر کے پوری دنیا کو اس کی برکات کا عملی نمونہ دکھا سکیں، تاکہ ان پر جنت تمام ہو سکے۔

ان مختلف خیال آراء کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب بنیادی طور پر جماعت اسلامی کے نقطہ نظر سے متفق تھے۔ لیکن ان کے خیال میں ہمیں علیحدہ ملک حاصل کر کے جماعت کے نچ پر کام کرنا چاہیے۔ ڈاکٹر صاحب نے جماعت علماء ہند کے نقطہ نظر سے اتفاق نہیں کیا لیکن ان کے تقویٰ اور خلوص کے معترف رہے، لیکن چوں کہ وہ دیکھ رہے تھے انگریزوں کی سرپرستی سے اب ہندو زندگی کے ہر شعبے میں بہت ترقی کر چکے تھے اور ان کے اندر مسلمانوں سے اپنی ہزار سالہ شکست کا انتقام لینے کا جذبہ بھی انگڑائیاں لے رہا تھا۔ لیکن جماعت علماء ہند کو اس کا اندازہ نہیں تھا کہ موام مسلسل مختلف معاملات میں ہندو تعصب کا سامنا کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ موام نے ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کے موقف کی تائید کی اور مسلم لیگ کو بھاری اکثریت سے کامیابی دلائی۔ ڈاکٹر صاحب نے تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا اور فعال کردار ادا کیا۔ وہ خلع حصار میں مسلم اسٹوڈنٹ فیڈریشن کے جنرل سیکرٹری رہے۔ اسی حیثیت سے وہ حصار سے لاہور آنے والے وفد میں شامل تھے جو قائد اعظم سے ملاقات کے لیے آیا تھا۔

ڈاکٹر صاحب نے ۱۹۴۷ء میں میٹرک کا امتحان تیاری نمبروں سے پاس کیا۔ اس دوران جماعت اسلامی کے دعوتی لٹریچر، کتب و رسائل کا مطالعہ کرتے رہے۔ پھر جب تقسیم ہند کے وقت فسادات شروع ہوئے تو حفاظتی کمیٹیوں میں جماعت اسلامی کے رسائل مابین امتحان القرآن میں شائع ہونے والے ”تفہیم القرآن“ کے حواشی کا مطالعہ کیا۔ چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں:

”اکتوبر ۱۹۴۷ء کے اوائل میں انڈین ملٹری نے حصار میں ہماری قلعہ

بندیاں زبردستی توڑ ڈالیں اور پوری مسلمان آبادی کو ایک نوکری شدہ چیل

کے اماںوں میں قائم شدہ کیمپ میں محبوس کر دیا۔ کچھ عرصہ وہاں قیام

کے بعد ہم لوگ ایک پیدل قافلے کے ساتھ تین روز میں ایک سو ستر

میل کا فاصلہ طے کر کے اگر حافظہ غلطی نہیں کر رہا تو غالباً ۷ نومبر ۱۹۴۷ء

کو برائے سلیماگی ہیڈ ورکس پاکستان میں داخل ہوئے اور اس طرح

زندگی کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔“ (۳)

دور دوم: جماعت اسلامی کے ساتھ فکری و ملی وابستگی

پاکستان آمد کے بعد ۱۹۴۹-۱۹۴۸ء میں ڈاکٹر صاحب نے کورنٹ کالج لاہور میں

ایف ایس سی میں داخلہ لیا۔ اُس وقت آپ نے حلقہ ہمدردان جماعت اسلامی اسلام پورہ

لاہور میں شامل ہو کر بڑی مستعدی کے ساتھ کام کیا، جماعت اسلامی کے لٹریچر کا تفصیلی مطالعہ

کیا۔ جماعت اسلامی کی نفاذ دستور اسلامی مہم میں بھرپور حصہ لیا۔ جس کے نتیجے میں مارچ ۱۹۴۹ء

ء میں قرارداد مقاصد کو دستور پاکستان میں شامل کیا گیا۔ جس کے مطابق یہ طے پایا کہ پاکستان

میں کوئی قانون سازی قرآن و سنت کے منافی نہ ہوگی۔

۱۹۵۰ء سے ۱۹۵۳ء تک ڈاکٹر صاحب نے کنگ لیڈ ورڈ میڈیکل کالج لاہور سے

MBBS کیا اس دوران باقاعدہ اسلامی جمعیت طلبہ میں شمولیت اختیار کر لی۔ جمعیت کے پلیٹ

فارم نے آپ کی تقریری، تحریری اور تہ ربی صلاحیتوں کو خوب کھرنے کا موقع فراہم کیا۔ اسلامی

جمعیت طلبہ سے وابستگی کے دوران آپ نے مختلف دعوتی مضامین تحریر کیے۔ جمعیت کے

ترجمان کے طور پر ایک رسالہ ”مزم“ کے نام سے جاری کیا۔ لاہور کے علاوہ ساہیوال جا کر بھی

دروہی قرآن دیتے رہے فکر قرآنی کے حوالے سے آپ شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی سے بے حد متاثر تھے اسی لیے آپ فقیر عثمانی سے خلافت استفادہ کرتے تھے اور اس فقیر کے بارے میں کیا کرتے تھے کہ اس سے مجھے اسلاف کی خوشبو آ رہی ہے۔ بلکہ وہ بزرگ اسلامی کو جماعت شیخ الہندی کی توسیع قرار دیتے تھے۔ شیخ الہند کے بارے میں ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

”میں حضرت شیخ الہند مولانا الحسن دیوبندی کو چودھویں صدی کا مجدد

مانتا ہوں۔“ (۴)

اس کے ساتھ ساتھ مولانا امین الحسن اصلائی کی تفسیر ”تذکرہ قرآن“ سے بھی استفادہ

کرتے تھے اور انہیں اصلائی صاحب سے باقاعدہ شرف کلمہ بھی حاصل ہے۔ فکر قرآنی کی ان

مختلف جہات کا احاطہ کرنے کی وجہ سے آپ کا درجہ قرآن بہت مقبول ہوا۔ جمعیت میں فعال

سرگرمیوں کی وجہ سے پہلے ناظم لاہور پھر ناظم پنجاب اور ۵۳-۱۹۵۴ء میں ناظم اعلیٰ پاکستان رہے۔

اس دوران ڈاکٹر صاحب نے کئی تربیت گاہوں کا انعقاد کروایا۔ ان تربیت گاہوں

میں مولانا امین الحسن اصلائی صاحب کے دروہی قرآن سے خوب استفادہ کرتے رہے اس

دوران تعطیلات کے زمانے میں منگمری (حال ساہیوال) میں جماعت اسلامی کے اجتماعات میں

درجہ قرآن دیتے تھے۔ اس بارے میں فرماتے ہیں:

”قرآن حکیم کے ساتھ اس تعلق کا سب سے بڑا فائدہ جو مجھے پہنچا وہ یہ

کہ دین کی اسی تعلیمات بھی مجھ پر براہ راست قرآن حکیم کی روشنی

میں واضح ہو گئیں اور خاص طور پر دعوت و تبلیغ دین کی اہمیت اور

شہادت حق اور اقامت دین کی فرضیت بھی مجھ پر از روئے قرآن

مکشف ہو گئی۔ گویا ”تَفْقِیدُ اسْتَفْہَکَ بِالْمَعْرِفَةِ الْوُفْقِ“

(المیزان: ۲۵۶) کے مصداق میرے دینی فکر کا ایک براہ راست تعلق

قرآن حکیم سے قائم ہو گیا۔“ (۵)

دور طالب علمی کے بعد ڈاکٹر صاحب نے جماعت اسلامی کی رکنیت کی درخواست

دی۔ نومبر ۱۹۵۳ء میں ان کی درخواست منظور ہوئی اور وہ باقاعدہ جماعت اسلامی کے رکن بن

گئے۔ چوں کہ آپ اپنی تعلیم مکمل کر چکے تھے اس لیے آپ ساہیوال منتقل ہو گئے اور وہاں جماعت اسلامی کی ایک ڈپسٹری میں ملازمت اختیار کی۔ کچھ ہی عرصہ بعد آپ کو جماعت اسلامی منٹکری (حال ساہیوال) کا امیر بنا دیا گیا۔

۱۹۵۵ء میں جماعت اسلامی میں ایک بحران کی کیفیت پیدا ہوتی شروع ہوئی۔ کئی اراکین جماعت نے محسوس کیا کہ جماعت اپنے نچ سے اعراض کی راہ پر گامزن ہو رہی ہے۔ اب فرد کی اصلاح کے بجائے زیادہ زور انتظامی سیاست کے ذریعے حکومتی تبدیلی پر ہے۔ جس کی وجہ سے اراکین جماعت کی تربیت کا معیار گرنا جا رہا ہے۔ جب جماعت کے سینئر کارکنان کی طرف سے اس حوالے سے بے چینی بڑھنے لگی تو امیر جماعت سید ابوالحسن مودودیؒ نے مولانا عبدالرحیم اشرف، شیخ سلطان احمد اور مولانا عبدالغفار حسن پر مشتمل ایک جائزہ کمیٹی بنائی۔ کمیٹی کو یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ پورے ملک کا سروے کرے اور اراکین جماعت کے احساسات پر مشتمل ایک جائزہ رپورٹ پیش کرے۔

۱۹۵۶ء ڈاکٹر صاحب نے بھی ۲۵۰ صفحات پر مشتمل ایک بیان اس کمیٹی کے حوالے کیا۔ جو ۱۹۵۹ء میں ”تحریک جماعت اسلامی ایک حقیقی مطالعہ“ کے نام سے کتابی صورت میں شائع کیا گیا۔ اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب کا تجزیہ یہ تھا کہ جماعت اسلامی جو کہ خالص اصولی اسلامی تحریک تھی اب قومی جماعت بن کے رہ گئی ہے۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

”جس طرح دور اول کی جماعت اسلامی کی خصوصیات اول و دوم

نے اسے بالکل ”اصولی اسلامی تحریک“ کی حیثیت دی تھی اسی طرح دور

ثانی کی مندرجہ بالا خصوصیات اول و دوم نے اس دور کی جماعت کو بالکل

”قومی جماعت“ کی سطح پر لا کھڑا کر دیا۔ وہی نقطہ قوم پہلے اس لیے

مزور ہو گیا تھا کہ چاہے اپنی اصل کے اعتبار سے اس میں فی الواقع

کوئی قیادت نہ ہو لیکن اس کے ساتھ عرصہ دراز کے استعمال سے غیر

اسلامی تصورات لازماً ولایت ہو گئے تھے۔“ (۶)

ڈاکٹر صاحب نے اس تجزیہ کے لیے بطور دلیل جماعت کے اراکین کی تحریروں کا

ایک کتابی جائزہ پیش کیا۔ یہ کتاب ۱۹۷۷ء سے قبل لکھی جانے والی تحریروں اور پھر ۱۹۷۷ء کے بعد کی شائع ہونے والی تحریروں کا تھا۔ جس میں واضح تفاوت دکھائی دے رہا تھا۔

ڈاکٹر صاحب کے اس اختلافی بیان نے جماعت اسلامی کی شورنی کے کئی اراکین کو بہت متاثر کیا۔ مولانا امین احسن اسلامی صاحب کا تاثر یہ تھا کہ اس نوجوان نے ہمیں ہماری تحریروں کی صورت میں ایک آئینہ دکھادیا ہے۔ اراکین شورنی کی اکثریت کی رائے تھی کہ جماعت کو انتظامی سیاست میں حصہ نہیں لینا چاہیے۔ جبکہ مولانا مودودیؒ اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔ اس کے لیے انہوں نے جماعت کی امارت سے مستعفی ہونا چاہا۔ مولانا امین احسن اسلامی صاحب کا موقف تھا کہ جماعت کے نظری امیر مولانا مودودیؒ ہیں اور جماعت صرف ان کی امارت ہی میں کام کر سکتی ہے۔ لہذا مولانا مودودیؒ کو شورنی کی اکثریت کی رائے پر عمل کرنا چاہیے۔ جب کہ مولانا مودودیؒ اس بات کو ماننے کے لیے تیار نہ تھے کہ امیر جماعت شورنی کی اکثریت کی رائے کا پابند ہو۔ اس دوران مولانا مودودیؒ نے بڑی دلچسپ بات کہی کہ آپ چاہتے ہیں کہ امارت تو میں کروں لیکن رکوع اس وقت کروں جب شورنی اللہ اکبر کہے اور رکوع سے اُس وقت اٹھوں جب شورنی سميع الله لمن حمده کہے۔ امیر کو اراکین کو گناہ نہیں تو لانا چاہیے۔ بہر حال نتیجہ یہ نکلا کہ اراکین شورنی کی اکثریت نے انتظامی سیاست میں حصہ لینے پر اختلاف کی وجہ سے جماعت اسلامی سے علیحدگی اختیار کر لی۔ جب کہ ڈاکٹر صاحب نے جماعت سے علیحدگی کچھ عرصہ بعد اختیار کی۔ اُس کی وجہ یہ ہوئی کہ جماعت میں اظہار اختلاف رائے پر پابندی عائد کر دی گئی۔ جس کو بھی جماعت کی پالیسی سے اختلاف ہے وہ اسے صرف سالانہ اجلاس میں ہی بیان کرے گا۔ ڈاکٹر صاحب اس پابندی کو درست نہیں سمجھتے تھے لہذا انہوں نے اپریل ۱۹۵۷ء میں جماعت سے علیحدگی اختیار کر لی۔ لیکن وہ فرماتے ہیں کہ:

”اس کا یہ مطلب چرچ نہیں تھا کہ میں نے زندگی کا وہ نصب العین بھی

ترک کر دیا جس کے حصول کے لیے میں نے جماعت میں شمولیت

اختیار کی تھی اور احیائے اسلام و تجدید دین اور شہادت حق و اقامت

دین کی اس جدوجہد سے بھی لاتعلقی اختیار کر لی جسے میں نے پورے

شعور و اوراک کے ساتھ اپنا دینی فرض سمجھ کر قبول کیا تھا۔ (۷)

تیسرا دور: نئی اجتماعیت کے قیام کیلئے جدوجہد

جماعت اسلامی سے مستعفی ہونے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے جماعت کی ڈپیسٹری کی ملازمت چھوڑ دی اور سائیوال میں اپنا مطلب قائم کر لیا۔ ۱۹۶۱ء میں دینی سرگرمیوں کے اعتبار سے ڈاکٹر صاحب نے دروس قرآن کے کئی حلقے قائم کیے۔ اور غفکری (حال سائیوال) میں طلبہ کے لیے ایک باطل بنایا تاکہ وہاں مقیم طلبہ کی دین کے وسیع تصور کے اعتبار سے ذہن سازی کی جاسکے۔ اس دوران جماعت اسلامی سے علیحدہ ہونے والے اکابرین سے بدستور رابطہ کرتے رہے تاکہ ایک نئی اجتماعیت قائم کی جاسکے جو جماعت اسلامی کے ابتدائی طریقہ کار کو پھر سے اختیار کر کے افراد کی ذہن سازی اور عملی تربیت کا اہتمام کر سکے۔ غفکری (حال سائیوال) میں قیام کے دوران تقریباً دو سال تک تبلیغی جماعت کے ساتھ وابستہ رہے۔ ڈاکٹر صاحب عہد جمعہ کے بیان میں شرکت کرتے اور پھر کے بعد تبلیغی جماعت کے اجتماع میں دروس قرآن دیتے رہے۔ لیکن چونکہ تبلیغی جماعت کی اصل توجہ صرف افراد کی اصلاح پر ہے۔ اور وہ نفاذ شریعت کا کوئی واضح لائحہ عمل پیش نہیں کر رہی۔ تو تبلیغی جماعت سے مزید شک و شبہ نہ رہ سکے۔ ۱۹۶۳ء میں ڈاکٹر صاحب بڑے بھائی کی خواہش پر کراچی تشریف لائے۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

”اوائل ۶۳ء میں بڑے بھائی صاحب کی طرف سے دین اور دنیا یعنی معاش اور معاد دونوں کے لیے مشترکہ کوشش کی ایک نہایت دل آویز اور خوش آمد تجویز کے تحت کراچی منتقل ہو گیا اور اگرچہ بہت جلد محسوس ہو گیا کہ یہ بھی ”دامِ مہرکِ زمیں“ ہی ہے، تاہم ایک دنہ اس میں گرفتار ہونے کے بعد کم و بیش تین سال اس سے رہائی حاصل کرنے میں لگے اور ۶۵ء میں میں واپس سائیوال آسکا۔“ (۸)

کراچی میں قیام کے دوران ڈاکٹر صاحب کی رہائش کچھ عرصہ کے لیے کورنگی میں دارالعلوم کراچی کے بالکل ساتھ انجیلر لینڈ کی فیکٹری میں رہی۔ اس دوران ڈاکٹر صاحب کو

مفتی شفیع صاحب کی قربت بھی حاصل رہی۔ کراچی میں قیام کے دوران ڈاکٹر صاحب نے دروس قرآن کا سلسلہ جاری رکھا۔ ۱۹۶۵ء میں ڈاکٹر صاحب نے کراچی یونیورسٹی سے ایم اے (اسلاک سٹڈیز) میں فرسٹ کلاس فرسٹ پوزیشن حاصل کی۔ کراچی سے واپس سائیوال منتقلی کے بعد آپ کے والد صاحب انویمر ۶۵ء کو انتقال فرما گئے۔ اب ڈاکٹر صاحب سائیوال سے لاہور منتقل ہو گئے اور لاہور کو اپنی دینی سرگرمیوں کا مرکز بنانے کا فیصلہ کیا۔ لاہور میں ڈاکٹر صاحب نے اپنی اب تک کی جمع شدہ پونہ لاکھ روپے سے کرشن نگر میں ایک مکان خریدا۔ اس مکان میں اپنا مطلب قائم کیا۔ ۱۹۶۶ء میں دعوتی کتب کی اشاعت کے لیے دارالاشاعت الاسلامیہ قائم کیا۔ دارالاشاعت سے ڈاکٹر صاحب نے کئی دعوتی کتب شائع کیں اور مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کی تفسیر تہ قرآن کی اشاعت کا بھی آغاز کیا۔ لاہور میں آپ نے دروس قرآن کے کئی حلقے قائم کیے اور جماعت اسلامی سے علیحدہ ہونے والے اکابرین سے رابطوں میں تیزی پیدا کر دی تاکہ احیاء اسلام کے لیے ایک نئی اجتماعیت قائم کی جاسکے۔ اسی دوران ڈاکٹر صاحب نے ماہنامہ یثاق کا دوبارہ اجرا کیا جسے مولانا اصلاحی صاحب نے ۱۹۵۹ء میں جاری کیا تھا لیکن اب وہ مالی دشواریوں کی وجہ سے شائع نہیں ہو رہا تھا۔ اس دوران روزنامہ ”کوہستان“ میں تحریک جماعت اسلامی پر ایک تبصرہ چھپا۔ جس میں اس بات پر خاصی تنقید کی گئی کہ جن حضرات نے جماعت اسلامی کو مورد الزام ٹھہرا کر کہ صحیح طریقہ کار پر قائم نہیں رہی، جماعت سے علیحدگی اختیار کر لی، انہوں نے نو دس سال گزرنے کے بعد بھی کوئی اجتماعی پلیٹ فارم نہیں بنایا جو اس نصب العین کو صحیح سمت لے کر آگے چلے، جو جماعت اسلامی کا ہے۔ چونکہ نصب العین میں تو کسی کا اختلاف نہیں۔ اس تنقید کا یہ اثر ہوا کہ ڈاکٹر صاحب اور دوسرے اکابرین جو جماعت سے علیحدہ ہوئے تھے، رابطوں میں تیزی لائے۔ اور جلد ایک اجتماعی نظم بنانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ انہی کوششوں کے نتیجے میں ۶۷ء-۱۹۶۶ء میں رحیم یار خان میں اجتماع ہوا۔ جس میں مولانا امین احسن اصلاحی صاحب، مولانا عبدالغفار احسن صاحب اور دیگر اکابرین نے شرکت کی۔ اس اجلاس میں ایک اجتماعیت کے قیام کے حوالے سے قرارداد تائیس پر اتفاق ہوا۔ قرارداد تائیس کی توثیقات کے ضمن میں مولانا امین احسن اصلاحی صاحب اور مولانا عبدالغفار احسن

صاحب نے بہت عمدہ تقاریر کیں۔ طے پایا کہ نئی اجتماعیت کے لیے کن فیئر مولانا امین احسن اصلاحی صاحب ہوں گے۔ وہ پورے پاکستان کا دورہ کریں گے اور خدمتِ دین کا جذبہ رکھنے والوں کو نئی اجتماعیت کے مقاصد اور طریقہ کار سے آگاہ کریں گے۔ بعد ازاں اس اجتماعیت میں شمولیت کا ارادہ کرنے والوں کا ایک ملک گیر اجتماع ہوگا جس میں اجتماعیت کے قیام کا باقاعدہ اعلان کیا جائے گا۔ پروگرام کے مطابق مولانا امین احسن اصلاحی صاحب مختلف شہروں کے دورے پر نکلے۔ سکھر میں ایک اجتماع کے دوران ان کی جماعت اسلامی کے ایک رکن سے تلخ کلامی ہو گئی۔ اصلاحی صاحب اس پر دلبرداشتہ ہو گئے اور صاف کہہ دیا کہ یہ کام میرے بس کا نہیں۔ وہیں سے انہوں نے لاہور واپسی کا فیصلہ کیا۔ لہذا ”حسرت ان غیوں“ جو بن سکتے مرجھا گئے“ کے مصداق ایک اجتماعیت کے قیام کا معاملہ آگے نہ بڑھا سکا۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

”بہر حال اس مرحلے پر میں نے خوب سوچ سمجھ کر پوری دلجمعی کے ساتھ یہ فیصلہ کر لیا کہ اب جو کچھ کرنا ہے انفرادی طور پر اور از خود کرنا ہے۔ نہ بزرگوں کے انتظار میں رہنا ہے کہ وہ آگے بڑھیں تو میں بھی چلوں نہ سابق رفقاء کی راہ نکلتی ہے کہ وہ ساتھ قدم لائیں تو میں بھی سفر کا آغاز کروں۔ ہر شخص خدا کی عدالت میں انفرادی طور پر پیش ہوگا اور اپنی اپنی جودہی کرے گا۔ ﴿وَتَكْلِفُهُمْ آيَةٌ يَوْمَ الْقِيَمَةِ قَوْلًا﴾ (مریم) لہذا کوئی اور آگے بڑھے یا نہ بڑھے اور ساتھ دے یا نہ دے مجھے اپنی ذمہ داری کی ادائیگی کی فکر بہر حال کرنی ہے!“ (۹)

بالآخر ان ٹھک جھجھک کے بعد ۱۹۷۵ء میں تنظیم اسلامی کا قیام عمل میں آیا اور مذکورہ قرار داد سنا سنی کو ہی اس نئی اجتماعیت کی اساس قرار دیا گیا۔ لیکن ڈاکٹر اسرار احمد صاحب جب اس بات سے ناامید ہو گئے تھے کہ جماعت اسلامی سے علیحدہ ہونے والے اکابر میں کسی اجتماعیت کے قیام کے حوالے سے آگے بڑھیں گے تو انہوں نے اپنے طور پر ایک اجتماع ہی جدوجہد کے آغاز کا مزمع کیا۔ اس حوالے سے ایک لائحہ عمل ”اسلام کی نشاۃ ثانیہ --- کرنے کا اصل کام“ کے عنوان سے ایک تحریر میں پیش کیا۔ اس کتابچے میں انہوں نے واضح

کیا کہ مسلمانوں کے زوال کی بنیادی وجہ مغربی فکر کی ہمہ گیریت ہے۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ:

”خیالی اور بلاواقعی تصورات کے بجائے ٹھوس حقائق و واقعات کو غور و فکر اور سوچ و بچار کا اصل مرکز و محور ہونے کی حیثیت حاصل ہے۔ اور خدا کے بجائے کائنات روح کے بجائے مادہ اور موت کے بعد کسی زندگی کے تصور کے بجائے حیاتِ دنیوی کو اصل موضوع بحث قرار دیا گیا ہے۔ خالص علمی سطح پر تو اگرچہ یہ کہا گیا کہ ہم خدا، روح اور حیات بعد الممات کا نہ اقرار کرتے ہیں نہ انکار۔ لیکن اس عدم اقرار و انکار کا نتیجہ بہر حال یہ نکلا کہ یہ ”تصورات رزق رزق بالفل خارج از بحث ہوتے چلے گئے اور انسان کے سارے غور و فکر اور تحقیق و تجسس کا مرکز و محور کائنات، مادہ اور حیاتِ دنیوی بن کر رہ گئے۔“ (۱۰)

ان تصورات کی مدافعت کیلئے دراصل وہ دہریہ انداز کی تحریک کی شکل میں منظر عام پر آیا جنہوں نے اس دور میں روحانیت کی ہمتیں جلاکیں اور قال اللہ و قال الرسول کی صداؤں میں ”ہن اسلام کا ڈھانچہ محفوظ رکھا۔ دوسری قسم کی کوششوں کا بنیادی فلسفہ یہ تھا کہ حدیثِ فکر میں سے صحیح و غلط کی نشان دہی کر کے علیحدہ کیا جائے اور اسلام کی حقانیت ثابت کی جائے۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ:

”بہر حال امر واقعہ ہے کہ ان کی ان کوششوں سے دین و مذہب کی جان نکل کر رہ گئی اور مغرب کی مادہ پرستانہ ذہنیت کے تحت مذہب کا ایک کم و بیش لاد مذہبی لیڈیشن تیار ہوا جس کا اگر کوئی غاندہ ہوا تو صرف یہ کہ بہت سے ایسے لوگوں کو جو ذہن و فکر کے اعتبار سے ہی نہیں تہذیب و تمدن کے لحاظ سے بھی خالص یورپین بن چکے تھے انہیں اپنے اپنے اور سے اسلام کا لیبل اتارنے کی ضرورت نہ پڑی۔ اور وہ مسلم قومیت کے حلقے میں شامل رہ گئے اور دین کا یہ جدید لیڈیشن ان کی جانب سے مغرب کی

خدمت میں بطور معذرت پیش ہو گیا۔“ (۱۱)

ڈاکٹر صاحب کا تجربہ یہ تھا کہ اب ان حالات میں احیاء اسلام کے لئے دو قسم کے کام کرنے ہونگے۔ ایک علمی کام اور دوسرا تحریکی کام۔ علمی کام کے لئے ایسے نوجوان تیار کرنے ہوں گے جو ایک طرف جدید علم سے بہرہ ور ہوں اور ساتھ ہی ساتھ اسلامی علوم کی فحوس بنیاد رکھتے ہوں۔ یہ نوجوان تخلیقی، تبلیغی، تدریسی اور تصنیفی کاموں کے ذریعے تین اعتبارات سے علمی خدمات سر انجام دیں۔ پہلا یہ کہ مغربی فلسفہ و فکر کی مضبوط دلائل سے تباہ کاریاں ثابت کریں۔ دوسرا یہ کہ اسلامی تعلیمات اور تصورات کو دلائل سے پیش کریں تاکہ جدید ذہن کے شبہات کا ازالہ ہو سکے۔ تیسرا یہ کہ معمر رواں کے اعتبار سے اسلام کے سیاسی، معاشرتی اور معاشی نظام کو مرتب کریں جس سے ثابت ہو کہ اسلام ہی وہ واحد نظام ہے جو پوری دنیا کے اجتماعی مسائل کا حل پیش کرتا ہے۔ یعنی اسلام کو ایک نظام حیات کے طور پر پیش کریں۔ تحریکی کام کے حوالے سے عوام الناس پر دینی ذمہ داریاں واضح کریں۔ انہیں ہر سطح پر یہ ذمہ داریاں ادا کرنے کے لیے مستقیم کریں۔ ان کے دلوں میں نظام باطل کے خلاف شدید نفرت پیدا کریں تاکہ وہ رائج نظام کو ختم کرنے کے لیے تن من و جان کی بازی لگادیں۔ ڈاکٹر صاحب نے ان مقاصد کے حصول کے لیے پہلے اپنے آپ کو پیش کیا۔ علمی کام کے لیے ۱۹۷۲ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور قائم کی جبکہ تحریکی کام کے لیے ۱۹۷۵ء میں تنظیم اسلامی قائم کی۔ سب ملک اور بیرون ملک سے باصلاحیت نوجوانوں کی تنظیم اسلامی سے وابستگی ہے جو اس مشن کو آگے بچھلا رہے ہیں۔

۱۹۷۷ء میں ڈاکٹر صاحب نے ”مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق“ کے موضوع پر ایک محرکہ الآراء تحریر لکھی۔ اس تحریر کے ذریعہ ڈاکٹر صاحب نے واضح کیا کہ مسلمانوں کے زوال کا اصل سبب قرآن مجید سے دوری ہے اور پھر سے عروج کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ قرآن مجید کے حقوق ادا کر کے اس کے ساتھ اپنے تعلق کو زندہ اور مضبوط کیا جائے۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:-

”حالات موجودہ یہ ایک بہت دور کی بات اور سہانا خواب معلوم ہوتا ہے

اس لئے کہ واقعی صورت حال یہ ہے کہ وہ امت کہ جسے قرآن کو اقوام و امم عالم تک پہنچانے کا ذمہ دار بنایا گیا تھا آج اس کی محتاج ہے کہ خود اسے قرآن پہنچایا جائے۔ لہذا اس وقت، اصل ضرورت اس کی ہے کہ خود امت مسلمہ میں تعلیم و تعظیم قرآن کی ایک رو چل سکے اور مسلمان درجہ بدرجہ قرآن سیکھنے اور سکھانے میں لگ جائے۔“ (۱۲)

مذکورہ کتاب کو بہت پزیرائی ملی۔ اور لاکھوں کی تعداد میں تقسیم کی گئی۔ اس کتاب کا کئی زبانوں میں ترجمہ ہوا۔ اس کا انگریزی ترجمہ پروفیسر محمد ابراہیم مرحوم نے کیا۔ اور عربی ترجمہ مدوۃ العلماء سے شائع ہونے والے مہنامے ”البعث الاسلامی“ میں شائع ہوا۔ اس کتاب پر جدید علماء کی طرف سے ڈاکٹر صاحب کی خوب ستائش کی گئی۔ ڈاکٹر صاحب نے اس بات کا متعدد بار اعتراف کیا کہ قرآن کی عظمت کا اولین نقش اقبال کی شاعری سے ہوا اور خاص طور پر اس شعر نے تو قلب و ذہن پر گہرے اثر چھوڑے، جس میں اقبال فرماتے ہیں:

وہ زمانے میں معزز تھے مسلمان ہو کر

اور تم خوار ہوئے تارک قرآن ہو کر

ڈاکٹر صاحب اکثر اس شعر میں ”تم“ کی جگہ ”ہم“ پر حا کرتے تھے۔ یعنی ”اور ہم“ خوار ہوئے تارک قرآن ہو کر ۱۹۶۵ء تا ۱۹۷۷ء کا دور ڈاکٹر صاحب کے لئے مشکلات کا دور رہا۔ اس لیے کہ بہت سی ذمہ داریاں ایک وقت ان کے کندھوں پر آ گئیں۔ مختلف جگہوں پر درس قرآن کے حاضرات قائم تھے۔ اپنے مطلب کو بھی باقاعدہ وقت دینا ہوتا تھا۔ پاکستان کے مختلف شہروں میں بغرض خطاب یا درس جانا ہوتا تھا۔ ماہانہ ”یشاق“ کی ادارت بھی ڈاکٹر صاحب کے پاس تھی۔ ساتھ ساتھ دارالاشاعت میں بھی خاص مصروفیت رہتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کو شام کے وقت بخار رہتا تھا۔ اور صحت بدستور خراب ہو رہی تھی۔ شروع شروع میں تو اپنی صحت کی طرف دھیان نہ دیا، لیکن جب صحت زیادہ خراب ہوئی تو مجبوراً تشخیص کرانا پڑی۔ لیکن اس تشخیص کا کوئی خاطر خواہ فائدہ نہ ہوا تو آپ نے کچھ دنوں کے لیے لاہور سے باہر جا کر آرام کیا۔ پھر واپس آ کر کام شروع کر دیا۔ لیکن صحت دوبارہ خراب ہونے لگی، تو کچھ دیر داشت ہو کر اور بعض

دوسرے سوال کی وجہ سے آپ نے کچھ ماہ بیرون ملک جانے کا فیصلہ کیا۔

چنانچہ ڈاکٹر صاحب اواخر اکتوبر ۱۹۷۰ء میں تراز مقدس کے لیے روانہ ہو گئے۔ ۱۳۹ھ کا رمضان المبارک کا پورا مہینہ مدینہ منورہ میں گزارا۔ اس کے بعد ایک ماہ کے لیے لندن اپنے بھائی ڈاکٹر ابصار احمد صاحب کے پاس چلے گئے۔ وہاں سے پھر تراز آئے۔ اس دوران مسلسل اپنے مستقبل کے لائحہ عمل کے بارے میں سوچتے رہے۔ چنانچہ وہیں تراز مقدس میں اپنی زندگی کا اہم فیصلہ کیا کہ اب پوری زندگی قرآن اور نظام خلافت کے قیام کے لیے وقف کرتا ہوں۔ مطلب کو بند کرنے کا فیصلہ کیا۔ مطلب کے تمام احادیث جات فروخت کر دیے۔ اس کے بعد آپ نے قرآن کی تعلیمات کو اعلیٰ علمی سطح پر پہنچانے کے لیے اواخر ۱۹۷۲ء میں 'مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور قائم کی۔ بعد میں دارالاشاعت الاسلامیہ کے تمام احادیث جات انجمن خدام القرآن نے خرید لیے جس سے ڈاکٹر صاحب کی مالی مشکلات میں کمی آئی۔ انجمن خدام القرآن کی طرف سے ڈاکٹر صاحب کو بائیس فراہم کی گئی۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنا کرشن ٹھکانا گھر کرائے پر دے دیا جس سے ڈاکٹر صاحب کے گزر اوقات کی تسہیل پیدا ہو گئی۔ بالمشافہ ڈاکٹر صاحب نے طے کیا کہ ان کی مطبوعات پر ان کا کوئی حق نہیں ہوگا اور ان سے ہونے والی تمام آمدنی انجمن خدام القرآن کے لئے وقف ہوگی۔ اس انجمن کے تحت ۱۹۷۵ء میں ماڈل ہاؤس لاہور میں قرآن اکیڈمی قائم ہو گئی۔ بلاشبہ یہ اکیڈمی خدمت قرآن کا ایک بہت بڑا مرکز بنی جس میں بیش بہا تدریسی تبلیغی تصنیفی اور تحقیقی کام جاری و ساری ہیں۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں :-

”واضح رہے کہ قائم الحروف اپنی ذاتی ساخت اور مزاج و طبع کی افلاک کے اعتبار سے محض انجمن سازی پر نہ کبھی پہلے مشتمل ہو سکتا ہے اور نہ اب مشتمل ہو سکتا ہے بلکہ اس کے پیش نظر حمد اللہ اعلائے کلمتہ اللہ اور اعتبار دین حق کا بلند و بالا نصب العین ہے اور اس کے لیے ایک حمد گیر خدو جہد ہی اس کی زندگی کا اصل مقصد ہے۔۔۔۔۔ پھر یہ بات بھی اس پر بخوبی واضح ہے کہ یہ کام انجمنوں کے ذریعے نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے لیے لازم ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے ایک قول مبارک کے مطابق مع

و جماعت اور جہاد و ہجرت کی بنیادوں پر باقاعدہ ایک جماعت قائم کی جائے اور اسے امید واثق ہے کہ بفضلہ تعالیٰ اس کی زندگی میں یہ مرحلہ بھی ضرور آکر رہے گا تاہم ابھی نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا مناسب وقت کب آئے گا اور فی الوقت ان مقاصد عظیمہ کی اصل جدوجہد کی تمہید کے طور پر صرف تعلیم و تعلم قرآن کے جزوی کام پر اکتفا کیے ہوئے ہے اور پیش نظر انجمن کی حیثیت اس جزوی کام کے بھی ایک شعبے کی ہے۔ چنانچہ مجوزہ انجمن کی قرارداد تیس کے الفاظ سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ ”شیعہ اہل ان و یقین یعنی قرآن حکیم کے علم و حکمت کی وسیع پیمانے پر تشہیر و اشاعت“ بجائے خود مقصود نہیں بلکہ اصل مقصود یعنی ”اسلام کی نظارت دینیہ اور غلبہ دین حق کے دورانی“ کی شرط لازم یعنی ”تجدید انسان کی عمومی تحریک“ برپا کرنے کا ذریعہ اور وسیلہ ہے“ (۱۳)

عظیم اسلامی کا قیام

تحریکی کام کے لیے ڈاکٹر صاحب نے ۱۹۷۵ء میں عظیم اسلامی کا قیام تو عمل میں لائے لیکن ڈاکٹر صاحب نے جماعت کی امارت کی ذمہ داری قبول نہیں کی بلکہ کنوینز کے نو رپر کام کرنے کا فیصلہ کیا۔ ڈاکٹر صاحب کی خواہش تھی کہ جماعت اسلامی سے علیحدہ ہونے والے کوئی بزرگ اس جماعت کی امارت کا منصب سنبھالیں۔ ڈھائی سال کے انتظار کے باوجود کوئی بزرگ اس کے لئے تیار نہ ہوئے۔ بالآخر اگست ۱۹۷۷ء میں تنظیم اسلامی کے تیسرے سالانہ اجتماع کے موقع پر ڈاکٹر صاحب نے عظیم اسلامی کی امارت کی ذمہ داری قبول کی اور طے کیا کہ اس جماعت کی اساس قرآن و سنت اور سلف صالحین کے آثار سے ماخوذ بیعت مع جماعت کے اصول پر ہوگی۔

۱۹۷۷ء میں ڈاکٹر صاحب نے باغ جناح لاہور میں واقع مسجد دارالسلام میں خطاب جمعہ دینے کا آغاز کیا۔ اس سے قبل ڈاکٹر صاحب نے دس سال مسجد خضرہ من آباد لاہور

میں خطاب جو دیتے رہے۔ مارچ ۱۹۷۷ء میں جب دینی و سیکولر جماعتوں کے اتحاد یعنی پاکستان قومی اتحاد نے انتخابات میں دھاندلی کے خلاف تحریک چلائی تو اسے تحریک نظام مصطفیٰ ﷺ کا نام دے دیا۔ مسجد خضرہ کی انتظامیہ کی خواہش تھی کہ ڈاکٹر صاحب اس تحریک کی حمایت میں خطاب جو کے ذریعے بیانات ارشاد فرمائیں۔ ڈاکٹر صاحب کا موقف تھا کہ یہ تحریک نظام مصطفیٰ کے نفاذ کے لیے نہیں بلکہ صرف بہنو حکومت گرانے کے لیے ہے۔ عوام کو سڑکوں پر لانے کے لیے نظام مصطفیٰ کا نعرہ اختیار کیا گیا ہے۔ مسجد خضرہ کی انتظامیہ نے ڈاکٹر صاحب کا موقف تسلیم نہیں کیا اور انہیں خطاب جو کی ذمہ داری سے ہٹا دیا۔ بعد ازاں وقت نے ثابت کیا کہ ڈاکٹر صاحب کا موقف کس قدر برحق تھا۔

۱۹۷۷ء میں جنرل ضیاء الحق نے ملک میں مارشل لا لگایا اور اقتدار پر قبضہ کیا۔ انہوں نے اپنے اقتدار کو ٹول دینے کے لیے اسلام کے نفاذ کو اپنی حکومت کا مقصد قرار دیا اور دینی و مذہبی رہنماؤں سے قریبی ریلو و ضبط رکھا۔ وہ ماضی میں ڈاکٹر صاحب کے دروس قرآنی میں شریک ہوتے رہے تھے لہذا انہوں نے ڈاکٹر صاحب کے لیے بھی پیرائی کا خاص اہتمام کیا۔ کئی مقامات پر اعلیٰ فوجی افسران کے سامنے ڈاکٹر صاحب کو سیرت کے موضوع پر خطاب کے مواقع فراہم کیے۔ پاکستان نیلی ویزن پر اپریل ۸۱ تا جون ۸۲ الہدیٰ پروگرام پر ہفتہ باقاعدگی سے نشر ہوتا رہا جس کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب اور ان کی فکر قرآنی کا وسیع پیمانے پر تعارف ہوا۔ جون ۸۱ء میں شرقی پردہ کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب کے موقف پر خواتین کی طرف سے مظاہرے ہوئے اور الہدیٰ پروگرام بند کر دیا گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے متبادل کے طور پر پاکستان کے کئی بڑے شہروں میں شام الہدیٰ کے عنوان سے دروس قرآن کا سلسلہ شروع کیا جن سے کثیر تعداد میں لوگوں نے استفادہ کیا۔

۱۹۸۱ء میں جنرل ضیاء الحق نے ڈاکٹر صاحب کو شورائی میں شمولیت کی دعوت دی۔ ڈاکٹر صاحب نے انکار کیا تو انہوں نے کہا کہ آپ مجھے مسجد کے منبر پر بیٹھ کر کے مشورے دیتے رہتے ہیں۔ اب میں باقاعدہ اس کے لیے فورم بنا رہا ہوں تو آپ کیوں انکار کر رہے ہیں؟ ڈاکٹر صاحب نے ضیاء الحق کی دلیل کو تسلیم کر لیا اور شورائی میں شامل ہو گئے۔ ڈھائی ماہ

کے دوران ڈاکٹر صاحب کو اندازہ ہو گیا کہ شورائی کا ادارہ صرف خانہ پوری کے لیے ہے تاکہ عالمی برادری کو متاثر دیا جائے کہ ضیاء الحق امر کے طور پر نہیں بلکہ مشاورت سے حکومت کا نظام چلا رہا ہے۔ درحقیقت شورائی کا ادارہ صرف زبانی جع خرق کے لیے ہے۔ لہذا ڈاکٹر صاحب نے ڈھائی ماہ بعد ہی شورائی سے استعفیٰ دے دیا۔

۱۹۸۳ء میں ڈاکٹر صاحب نے رمضان المبارک کے دوران نماز تراویح کے ساتھ دورہ ترجمہ قرآن کا آغاز کیا۔ مقصد یہ تھا کہ لوگ قرآن کی ہدایت سے آشنا ہوں۔ مزید یہ کہ رات کا طویل حصہ قرآن کے ساتھ بسر ہوتا کہ جب ارشاد رسول ﷺ روز قیامت قرآن شریک ہ کے حق میں یہ سفارش کر سکے کہ یہ لوگ میری وجہ سے جاگتے رہے۔ اس پروگرام کو اللہ نے خصوصی شرف قبولیت بخشا اور ہر سال اس کا دورہ وسیع سے وسیع تر ہوتا رہا۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ پروگرام کرنے کی سعادت لاہور کے علاوہ کراچی، ملتان، ایف ٹی سی، اور امریکہ میں بھی حاصل کی۔ اب ڈاکٹر صاحب کے ایک سو سے زائد شاگرد ہیں جو ہر سال خدمت قرآنی کی اس صورت کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔

۱۹۸۴ء کے اواخر میں ڈاکٹر صاحب نے مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں "فتح انقلاب نبوی ﷺ" کے موضوع پر خطابات کا آغاز کیا۔ مجموعی طور پر ڈاکٹر صاحب نے اس موضوع پر گیارہ خطابات ارشاد فرمائے جنہیں بعد میں کتابی صورت میں مرتب کر لیا گیا۔ بلاشبہ میرت النبی ﷺ کے عملی و انقلابی پہلو کے اعتبار سے یہ خطابات کا ایک معرکہ الآراء مجموعہ ہے۔ ۱۹۸۵ء میں ڈاکٹر صاحب نے اہل پاکستان کو خبردار کیا کہ انہیں آزادی حاصل کیے ہوئے ۷۰ برس مکمل ہو رہے ہیں۔ اگر اب بھی اسلام کی طرف پیش قدمی نہ کی تو عذاب الہی کے سامنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ اس حوالے سے انہوں نے ایک کتاب "استحیام پاکستان" تحریر کی اور اس موضوع پر کئی شہروں میں خطابات دیے۔

۱۹۸۷ء میں بھٹو مولانا سمیع الحق اور قاضی عبداللطیف نے ملک میں نفاذ شریعت کے لیے بیعت میں ایک شریعت بل پیش کیا۔ تمام دینی رہنمائیں اس بل کی منظوری کے لیے "حقہ شریعت مجاز" کے نام سے متحد ہو گئیں۔ حکومت کو دھمکی دی گئی کہ اگر ۲۷ رمضان المبارک تک

شریعت بل منظور نہ کیا گیا تو دینی تہمتوں کے اراکین اسمبلی و سینیٹ سے استعفیٰ دے دیں گے اور حکومت کے خلاف احتجاجی تحریک چلائیں گے۔ ڈاکٹر صاحب اس محاذ کی سرگرمیوں میں انتہائی فعال طور پر سرگرم ہوئے۔ کراچی کے ایک جلسہ میں کئی اکابر علماء کی موجودگی میں انہوں نے تجویز دی کہ ہمیں منظم احتجاج کے لیے ایک امیر کی قیادت پر متفق ہونا ہو گا اور اُس سے بیعت صحیح و معامت کرنی ہو گی۔ انہوں نے امیر کے لیے مولانا مسیح الحق کے والد مولانا عبدالحقؒ کا نام پیش کیا۔ اُنہوں نے دیندار علماء نے شریعت کے نفاذ کی اہمیت پر تو خوب زور دیا لیکن عملی جدوجہد کے لیے ڈاکٹر صاحب کی تجویز کا ذکر تک نہیں کیا۔ جب ۲۷ رمضان المبارک کی تاریخ آئی تو دینی تہمتوں کے اراکین نے اسمبلی اور سینیٹ سے استعفیٰ دینے سے انکار کر دیا۔ ایک رکن اسمبلی نے کہا کہ ہم کیوں استعفیٰ دیں۔ ہم دین کے دشمنوں کو ان اداروں سے نکال باہر کریں گے۔ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ سوچ کس حد تک قابل عمل تھی؟ بہر حال دینی تہمتوں کے اس طرز عمل نے ڈاکٹر صاحب کو شدید ہاپس کیا اور ڈاکٹر صاحب نے اس روش کو ایک بہت بڑا المیہ قرار دیا۔

اس دوران ڈاکٹر صاحب سالانہ بنیادوں پر محاضرات قرآنی کا انعقاد کرتے رہے۔ یہ محاضرات اہم دینی موضوعات پر منعقد ہوئے جن میں مختلف مکاتب فکر کے جید علماء اور دانشوروں نے گراں قدر خطابات اور مقالے پیش کیے۔ ان محاضرات کا ایک نامہ یہ ہوا کہ مختلف مکاتب فکر کے علماء ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوئے ایک دوسرے کے خیالات سے مستفید ہوئے اور باہم دوریوں میں کمی آئی۔ ۱۹۹۶ء میں امریکہ نے عراق پر حملہ کیا تو ڈاکٹر صاحب نے وطن عزیز کے نول و عرض میں امریکہ کے اصل حزام یعنی عظیم تر اسرائیل (GREATER ISRAEL) کے قیام کو بے غائب کیا۔ اسی سال ڈاکٹر صاحب نے تحریک خلافت پاکستان کے قیام کا اعلان تحریک خلافت کے حوالے سے تاریخی مقام خالق دینا پال کراچی میں کیا۔ آپ نے کئی شہروں میں نظام خلافت کیا کیوں اور کیسے؟ کے موضوع پر خطابات ارشاد فرمائے۔ ستمبر ۱۹۹۶ء میں ڈاکٹر صاحب نے رفقاء عظیم اسلامی کو آگاہ کر دیا کہ وہ قمری اعتبار سے مسنون عمر یعنی ۷۳ برس کے ہو چکے ہیں لہذا اب دنیا سے رخصت ہونے کی تیاری شروع کر

رہے ہیں۔ انہوں نے بعض الماک جو اُن کے ذاتی نام پر تھیں، اقامت دین اور دین حق ٹرسٹ کے نام منحل کر دیں تاکہ اُن کے بعد ان الماک پر اُن کا کوئی وارث ملیت کا دعویٰ نہ کر سکے اور ان الماک کا استعمال دینی مقاصد کے لیے ہوتا رہے۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ واضح کرنے کے لیے کہ انہوں نے دین کی خدمت کو مالی منفعت کے حصول کا ذریعہ نہیں بنایا، ایک کتاب ”حساب کم و بیش“ کے نام سے تحریر کی۔ اس کتاب میں انہوں نے زندگی بھر کی آمدنی اور اخراجات کا حساب پیش کر دیا۔ اپنی خدمات قرآنی کا جائزہ پیش کرنے کے لیے ایک کتاب دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر تحریر کی۔ تنظیم اسلامی میں اپنے جانشین کا فیصلہ کرنے کے حوالے سے وسیع تر مشاورت کا آغاز کیا۔ مسلسل چوبیس کی مشاورت کے بعد فروری ۱۹۹۸ء میں محترم حافظ عاکف سعید صاحب کو اپنا جانشین مقرر کرنے کا اعلان کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے اگست ۱۹۹۸ء میں حزب التحریر کے تحت عالمی خلافت کانفرنس لندن میں ”تبع انقلاب نبوی ﷺ“ کے موضوع پر انگریزی میں خطاب کیا۔ پھر ۱۹۹۵ء اور ۱۹۹۶ء میں امریکہ جاکر انگریزی میں دورہ ترجمہ قرآن ریکارڈ کر لیا۔

۱۹۹۷ء میں مسلم لیگ کو نام انتخابات میں شاندار کامیابی حاصل ہوئی اور اُسے قومی اسمبلی میں دو تہائی اکثریت حاصل ہو گئی۔ اب ڈاکٹر صاحب نے نواز شریف سے کئی ملاقاتیں کیں اور انہیں دستور پاکستان میں شامل کرنے کے لیے ایسی ترامیم مرتب کر کے دیں جس سے وطن عزیز میں اسلامی قوانین کا نفاذ ممکن ہو سکے۔ رفقاء عظیم اسلامی نے بھی اس حوالے سے بھرپور مہم چلائی اور لاکھوں کی تعداد میں مجوزہ ترامیم کا خاکہ حکومت کو بذریعہ ڈاک بھیجا۔ بد قسمتی سے مسلم لیگ کی حکومت نے دستور پاکستان کو اسلامی بنانے اور اُس میں سے منافقانہ شقیں خارج کرنے کا بہترین موقع گھوا دیا۔

۱۹۹۸ء میں ڈاکٹر صاحب نے کراچی میں دورہ ترجمہ قرآن کیا جس کی ویڈیو ریکارڈنگ جدید Digital کیمروں کے ذریعہ کی گئی۔ مختلف ملکی اور بیرون ممالک کے ٹی بیٹل ڈاکٹر صاحب کے درس اور لیکچرز کو نشر کر رہے ہیں۔ اور پیغام قرآنی سو سے زائد مسلم و غیر مسلم ممالک تک پہنچ رہا ہے۔ ۱۹۹۸ء میں ڈاکٹر صاحب کے دونوں گھنٹوں کا آپریشن ہوا۔ اسی سال

آپ نے دینی جماعتوں کو متحد کرنے کی ایک اور کوشش کی اور متحدہ اسلامی انقلابی محاذ قائم کیا جس کا مطالبہ یہ تھا کہ دستور پاکستان میں شریعت کی بالادستی کو تسلیم کیا جائے۔ کسی بڑی جماعت نے اس محاذ میں شمولیت اختیار نہیں کی اور یہ کوشش بھی کامیابی سے ہمکنار نہ ہوئی۔ اس محاذ کے تحت ڈاکٹر صاحبؒ نے کئی بڑے شہروں میں فوج انقلاب نبوی ﷺ کے عنوان سے پروگرام کیے اور جید علماء کو اس موضوع پر اظہار خیال کے لیے جمع کیا۔

۲۰۰۳ء میں ڈاکٹر صاحبؒ نے کئی محاضرات اور بیانیوں کی وجہ سے عظیم کی امارت سے معذرت کی اور امارت کی ذمہ داری محترم حافظ ماکلف سعید صاحب کو منتقل کر دی۔ سب سے پہلے ڈاکٹر صاحبؒ نے خود حافظ ماکلف سعید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی۔ عظیم اسلامی کی امارت سے سبکدوش ہونے کے بعد ڈاکٹر صاحبؒ نے اپنی ساری توجہ علمی، فکری اور تبلیغی امور کی طرف مرکوز کر دی۔ روزنامہ نوائے وقت اور جنگ میں کالمز تحریر کرتے رہے اہم ملکی اداروں میں ٹیچرز دیتے رہے اور ملک کے طول و عرض میں دروس قرآن اور مختلف موضوعات پر خطابات ارشاد فرماتے رہے۔ جب بھی کہیں سے بیان کی دعوت آئی ڈاکٹر صاحبؒ نے نہ قاصدوں کی صعوبتوں کو دیکھنا راستوں کی دشواری کو رکاوٹ سمجھا نہ اپنی بیماری اور معذوری کی پروا کی اور نہ ہی اپنی پیرائے مالی کی کمزوریوں کو عذر بنایا۔ ڈاکٹر صاحبؒ نے ہر ایسی دعوت پر لبیک کہا اور جا کر اللہ کا پیغام پورے جذبے کے ساتھ پہنچانے کی پھر پور کوشش کی۔

۲۰۰۴ء میں ڈاکٹر صاحبؒ نے ڈاکٹر ذاکر نانیک کی دعوت پر بھارت کا دورہ کیا۔ وہاں بڑے بڑے عوامی اجتماعات سے کئی کئی گھنٹے خطاب کیا اور اسٹوڈیو میں کئی ٹیچرز ریکارڈ کرائے۔ Peace ٹی وی چینل پر یہ خطابات اور ٹیچرز نشر ہو رہے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی بھارت کے کئی شہروں میں خطابات و دروس دیے۔

آخری لمحات

مورچہ ۱۹ تا ۲۰ اپریل ۲۰۰۵ء کو قرآن اکیڈمی فیصل آباد میں عظیم اسلامی کے ذمہ داران کے لیے ایک تربیتی کورس کا انعقاد کیا گیا۔ اس کورس کے لیے تجویز کردہ انصاب کو ڈاکٹر صاحبؒ نے بہت پسند فرمایا اور اس اجتماع میں کئی وقتی شرکت کا فیصلہ کیا۔ اس دوران انہوں نے ۴

اور ۵ اپریل کو ملک بھر سے جمع ہونے والے عظیم اسلامی کے ذمہ داران کو دو دو گھنٹے کے دو روزے پر مشتمل ٹیچرز دیے۔ یہ خطاب ڈاکٹر صاحبؒ کا اپنے شاگردوں سے آخری خطاب ثابت ہوا۔ ۵ اپریل کی شام کو ایک پروگرام کے لیے تشریف لائے، لیکن بجلی کے نظام کی خرابی کی وجہ سے یہ پروگرام نہ ہو سکا۔ البتہ ڈاکٹر صاحبؒ اس انتظار میں کہ شب بجلی بحال ہو جائے تشریف فرما رہے۔ لیکن زیادہ بیٹھنے کی وجہ سے رات سوتے وقت کمر کے درمیں شدت پیدا ہوئی جس کی وجہ سے ڈاکٹر صاحبؒ ٹپ اٹھے۔ پھر ڈاکٹر صاحبؒ ۱۶ اپریل کو دن ۱۱ بجے تشریف لائے اور اعلان کیا کہ اب میرے لیے مزید اس کورس میں پڑھنا ممکن نہیں رہا۔ اور فرمایا کہ شب میری یہ آپ سے آخری ملاقات ہے۔ اس دوران ڈاکٹر صاحبؒ نے شرکاء کے چند سوالات کے جوابات دیے اور اس دوران بھی بار بار اُن پر رقت جاری ہوتی رہی۔ ۱۷ اپریل کو فیصل آباد میں عظیم کی مرکزی شوریٰ کا اجلاس تھا۔ ڈاکٹر صاحبؒ باوجود بیماری کے اس اجلاس میں شرکت کے لیے لاہور سے تشریف لائے۔ فرمایا کہ شب آخری بار آپ سے ملاقات کے لیے آیا ہوں۔ اور فکر انگیز گفتگو میں رفقاء عظیم سے فرمایا آج میں یہ پیغام دینے کے لیے آیا ہوں کہ اس خالمانہ نظام کے خلاف اپنے جذبات کو سرد نہ ہونے دینا اور دین حق کی سر بلندی کے لیے اپنی جدوجہد کو تیز سے تیز کرنا یعنی ساتھیو! مشغلوں کو تیز کرو۔ حالات بڑی تیزی سے تباہی کی طرف جارہے ہیں۔ دین ملت اور ملک کے خیر خواہوں کو چاہیے کہ اپنے زیادہ وسائل، وقت اور توانائیاں حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے وقف کر دیں۔ مورچہ ۱۳ اپریل کو رات ساڑھے گیارہ بجے ڈاکٹر صاحبؒ کے فرزند ڈاکٹر عارف رشید صاحب نے محسوس کیا کہ ڈاکٹر صاحبؒ کو بخار ہے۔ انہوں نے ڈاکٹر صاحبؒ سے پوچھا کہ کیا کسی معالج کو دیکھا دیا جائے۔ ڈاکٹر صاحبؒ نے منع فرمایا اور چند ادویات لے کر سو گئے۔ رات ڈھائی بجے ڈاکٹر صاحبؒ کے خادم نے محسوس کیا کہ آپ کے سانس لینے کی آواز نہیں آرہی۔ قریب جا کر دیکھا تو آپ سکت لیے ہوئے تھے۔ خادم نے ڈاکٹر عارف رشید صاحب کو فون کر کے بلایا۔ انہوں نے آکر ڈاکٹر صاحبؒ کا معائنہ کیا اور بتایا کہ اللہ کے دین کا خادم اللہ کے پاس پہنچ گیا ہے۔ ۱۳ اور ۱۴ اپریل ۲۰۰۵ء کی درمیانی شب ڈاکٹر صاحبؒ اس دار فانی سے دار البقاہ کی طرف کوچ کر گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ